بسم الله الرحمن الرحيم

پارہ نمبر 1

سورة البقرة

آیت نمبر 50 - 37

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

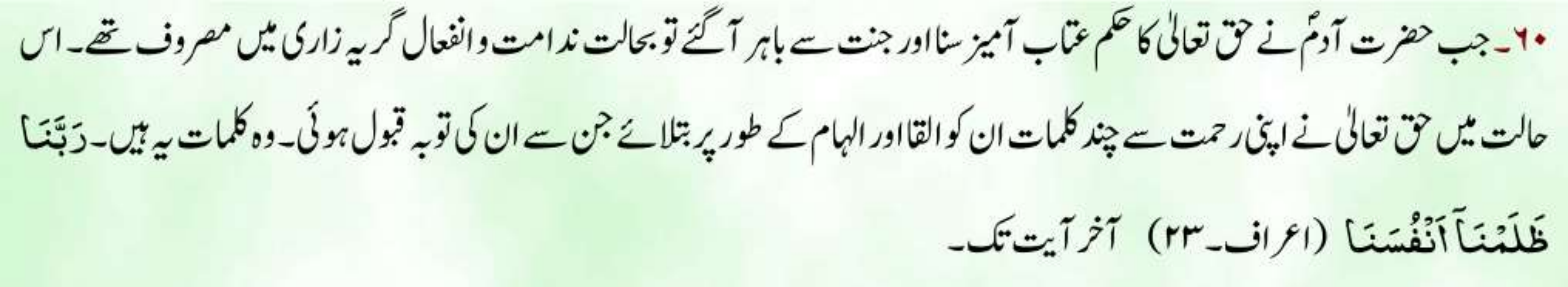

۶۰۔ جب حضرت آدمؑ نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آ گئے تو بحالت ندامت و انفعال گریہ زاری میں مصروف تھے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القا اور الہام کے طور پر بتلائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا (اعراف۔ ۲۳) آخر آیت تک۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

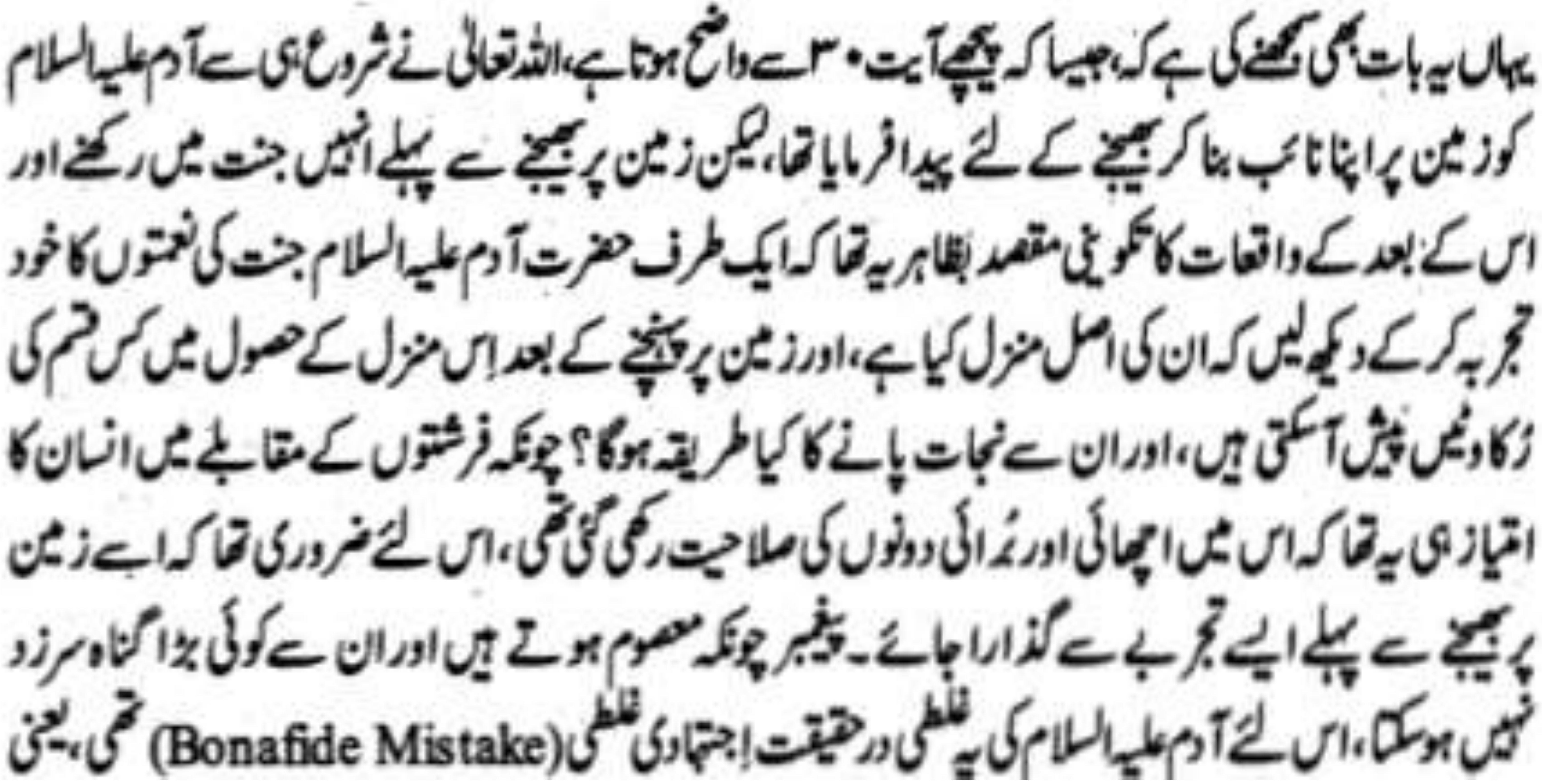

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ، جیسا کہ پیچھے آیت ۳۰ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، لیکن زمین پر بھیجنے سے پہلے انہیں جنت میں رکھنے اور اس کے بعد کے واقعات کا تکوینی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں کا خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہے، اور زمین پر پہنچنے کے بعد اس منزل کے حصول میں کس قسم کی رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں، اور ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ چونکہ فرشتوں کے مقابلے میں انسان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ اس میں اچھائی اور برائی دونوں کی صلاحیت رکھی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اسے زمین پر بھیجنے سے پہلے ایسے تجربے سے گذارا جائے۔ پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، اس لئے آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت اجتہادی غلطی (Bonafide Mistake) تھی، یعنی

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

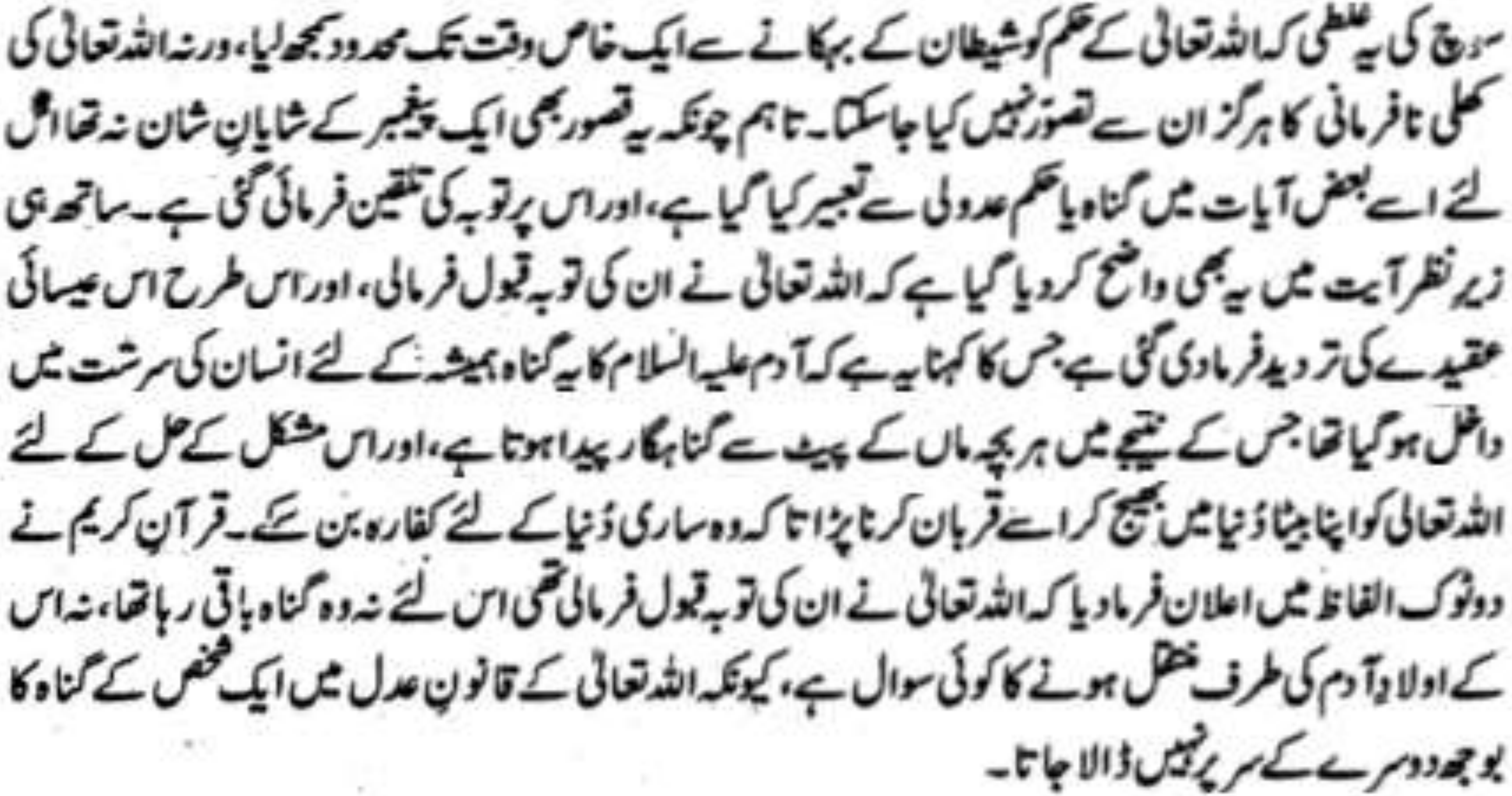

سوچ کی یہ غلطی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو شیطان کے بہکانے سے ایک خاص وقت تک محدود سمجھ لیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ہرگز ان سے تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ قصور بھی ایک پیغمبر کے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اسے بعض آیات میں گناہ یا حکم عدولی سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی زیرِ نظر آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور اس طرح اس عیسائی عقیدے کی تردید فرمادی گئی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا یہ گناہ ہمیشہ کے لئے انسان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اور اس مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا بیٹا دُنیا میں بھیج کر اسے قربان کرنا پڑا تا کہ وہ ساری دُنیا کے لئے کفارہ بن سکے۔ قرآن کریم نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی تھی اس لئے نہ وہ گناہ باقی رہا تھا، نہ اس کے اولادِ آدم کی طرف منتقل ہونے کا کوئی سوال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل میں ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالا جاتا۔

حدیث مبارکہ

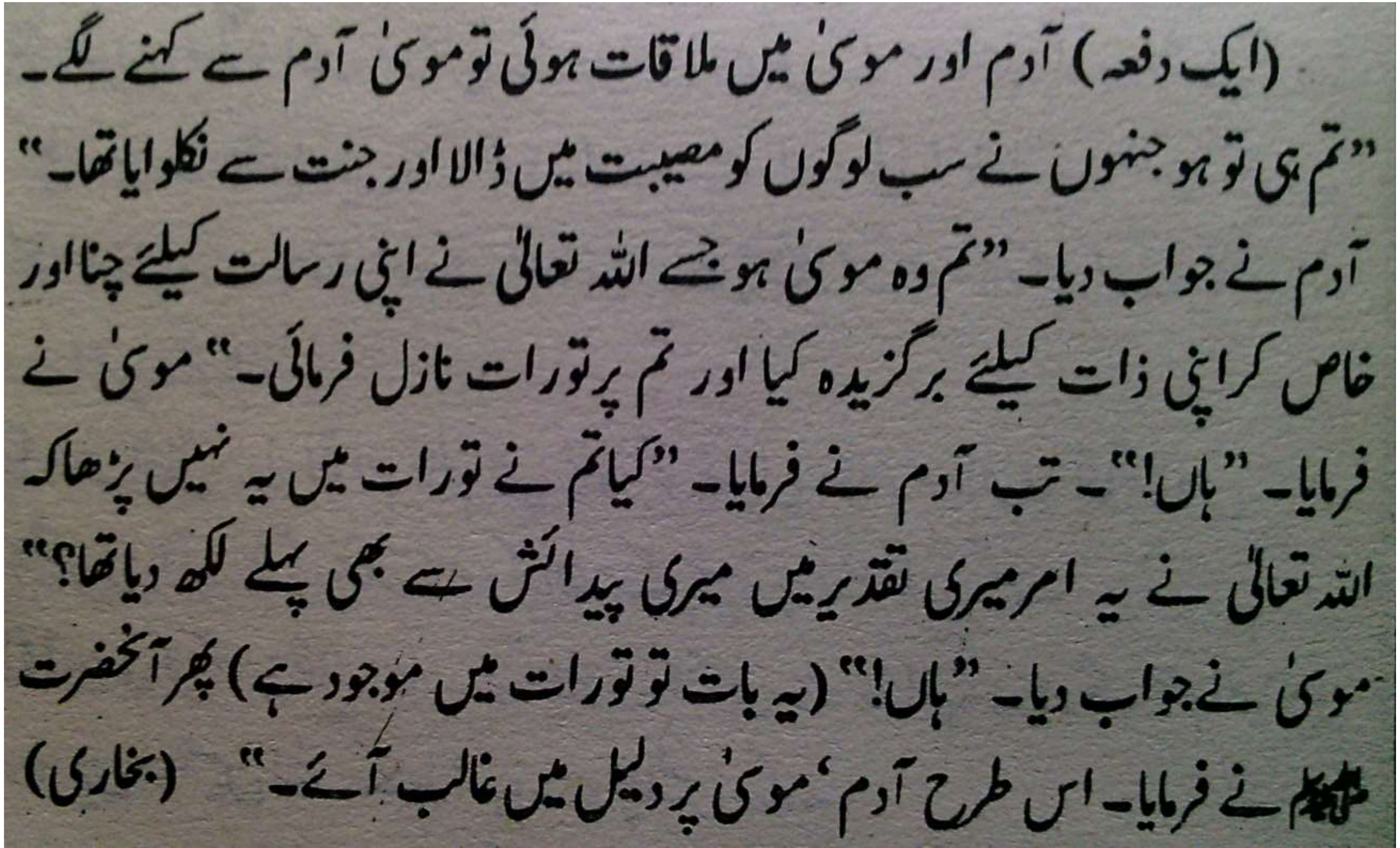

(ایک دفعہ) آدم اور موسیٰ میں ملاقات ہوئی تو موسیٰ آدم سے کہنے لگے۔ “تم ہی تو ہو جنہوں نے سب لوگوں کو مصیبت میں ڈالا اور جنت سے نکلوایا تھا۔” آدم نے جواب دیا۔ “تم وہ موسیٰ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کیلئے چنا اور خاص کر اپنی ذات کیلئے برگزیدہ کیا اور تم پر تورات نازل فرمائی۔” موسیٰ نے فرمایا۔ “ہاں!”۔ تب آدم نے فرمایا۔ “کیا تم نے تورات میں یہ نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ امر میری تقدیر میں میری پیدائش سے بھی پہلے لکھ دیا تھا؟” موسیٰ نے جواب دیا۔ “ہاں!” (یہ بات تو تورات میں موجود ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس طرح آدم، موسیٰ پر دلیل میں غالب آئے۔” (بخاری)

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ

هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

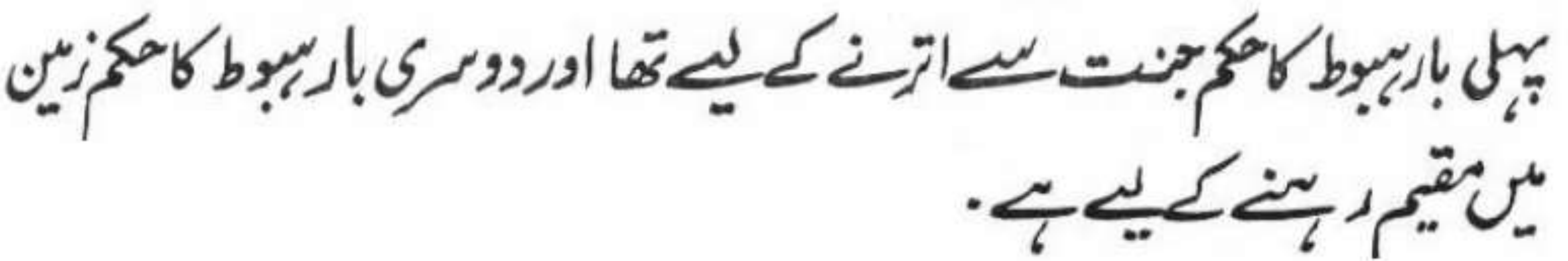

پہلی بار ہبوط کا حکم جنت سے اترنے کے لیے تھا اور دوسری بار ہبوط کا حکم زمین میں مقیم رہنے کے لیے ہے۔

ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ہند کے شہر ''دھنا'' میں اترے تھے- ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے- حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضرت آدم ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستمیساں میں پھینکا گیا اور سانپ اصفہان میں- ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے- اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا-

حدیث مبارکه

لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب! اسألك بحق محمد إلا غفرت لی، فقال الله تعالی: وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه بعد، قال: يا رب! لأنك لما خلقتنی بيدك ونفخت فی من روحك رفعت رأسی فرأيت علی قوائم العرش مكتوبا: لا إله إلا الله محمد رسول الله. فعلمت أنك لم تضف إلی اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال الله عزوجل: صدقت يا آدم! إنه لأحب الخلق إلی وإذا سألتنی بحقه فقد غفرت لك، ولولا محمد ما خلقتك. ط، ص وأبو نعيم فی الدلائل، ك وتعقب بأن فيه عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف هق فی الدلائل وضعفه وابن عساكر- عن عمر.

كنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، حديث : 32138

حدیث مبارکہ

(لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لی فقال الله يا آدم وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه

قال يا رب لما خلقتنی بيدك ونفخت فی من روحك رفعت رأسی فرأيت علی قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول

الله فعلمت أنك لم تضف إلی إسمك إلا أحب الخلق إليك فقال الله صدقت يا آدم إنه لأحب الخلق إلی ادعنی بحقه فقد غفرت

لك ولولا محمد ما خلقتك) رواه الحاكم فی المستدرك ج2ص615. (موضوع) وذكره الألبانی فی السلسلة الضعيفة ج1/25

وقال: موضوع.

جامع الأحاديث القدسية- قسم الضعيف والموضوع، حديث : 951

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

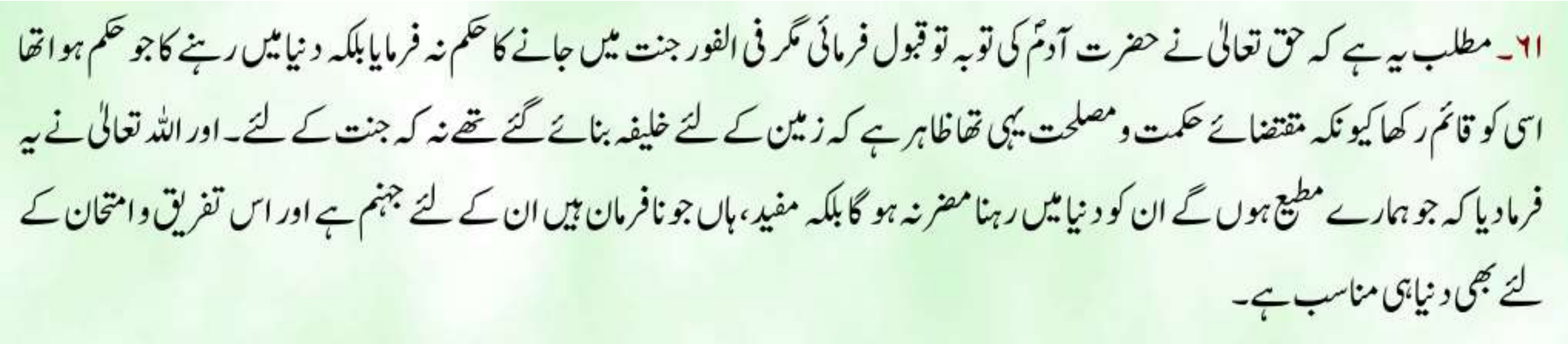

۶۱۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت و مصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے ان کو دنیا میں رہنا مضر نہ ہو گا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں ان کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق و امتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی

یہ ہے علمِ انسانی کا دوسرا گوشہ‘ یعنی علم بالوحی (Revealed Knowledge)۔ اس چوتھے رکوع کا حسن ملاحظہ کیجیے کہ اس کے شروع میں علم بالحواس یا اکتسابی علم (Acquired Knowledge) کا ذکر ہے جو بالقوۃ (potentially) حضرت آدمؑ میں رکھ دیا گیا اور جسے انسان نے پھر اپنی محنت سے‘ اپنے حواس اور عقل کے ذریعے سے آگے بڑھایا۔ یہ علم مسلسل ترقی پذیر ہے اور آج مغربی اقوام اس میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ کبھی ایک زمانے میں مسلمان بہت آگے نکل گئے تھے‘ لیکن ظاہر ہے کہ اس دنیا میں عروج تو انہی کو ہوگا جنہیں سب سے زیادہ اس کی آگہی حاصل ہوگی۔ البتہ وہ علم جو آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ عطائی (given) ہے‘ جو وحی پر مبنی ہے۔ اور انسان کے مقامِ خلافت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام اس کے پاس آئیں‘ وہ جو ہدایات بھی بھیجے ان کی پورے پورے طور پر پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

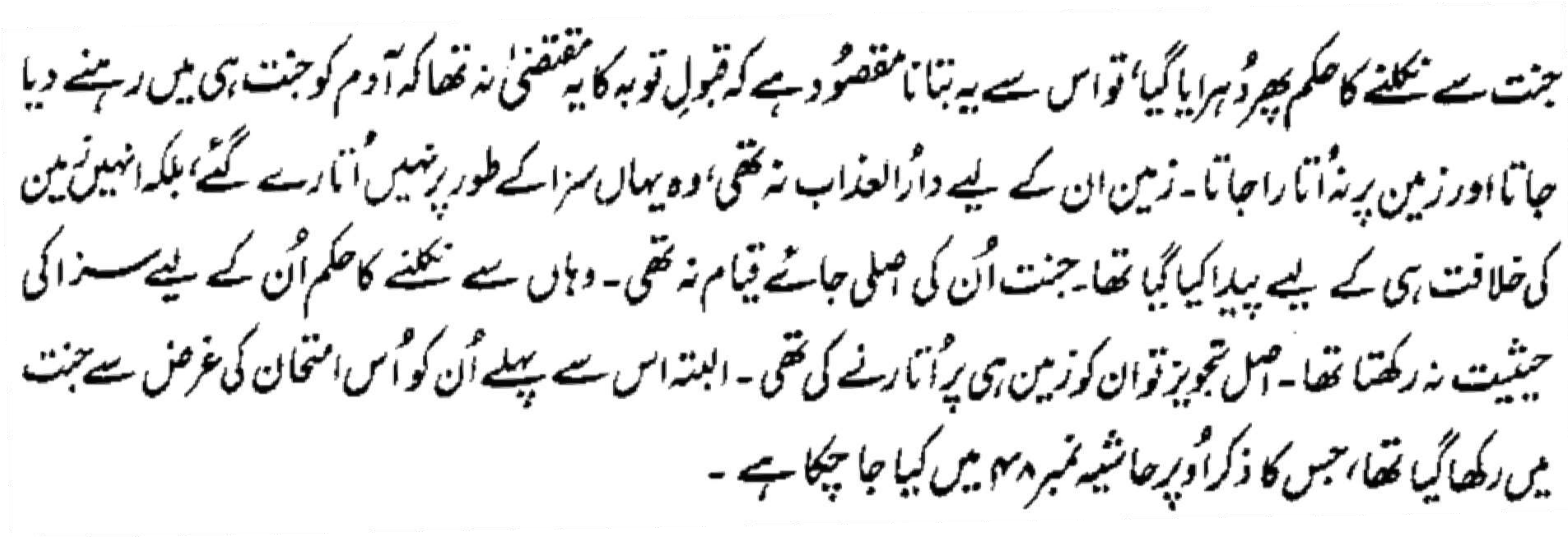

جنت سے نکلنے کا حکم پھر دُہرایا گیا، تو اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قبولِ توبہ کا یہ مقتضیٰ نہ تھا کہ آدم کو جنت ہی میں رہنے دیا جاتا اور زمین پر نہ اُتارا جاتا۔ زمین ان کے لیے دارالعذاب نہ تھی، وہ یہاں سزا کے طور پر نہیں اُتارے گئے، بلکہ انہیں زمین کی خلافت ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ جنت اُن کی اصلی جائے قیام نہ تھی۔ وہاں سے نکلنے کا حکم اُن کے لیے سزا کی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اصل تجویز تو ان کو زمین ہی پر اُتارنے کی تھی۔ البتہ اس سے پہلے اُن کو اُس امتحان کی غرض سے جنت میں رکھا گیا تھا، جس کا ذکر اُوپر حاشیہ نمبر ۴۸ میں کیا جا چکا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

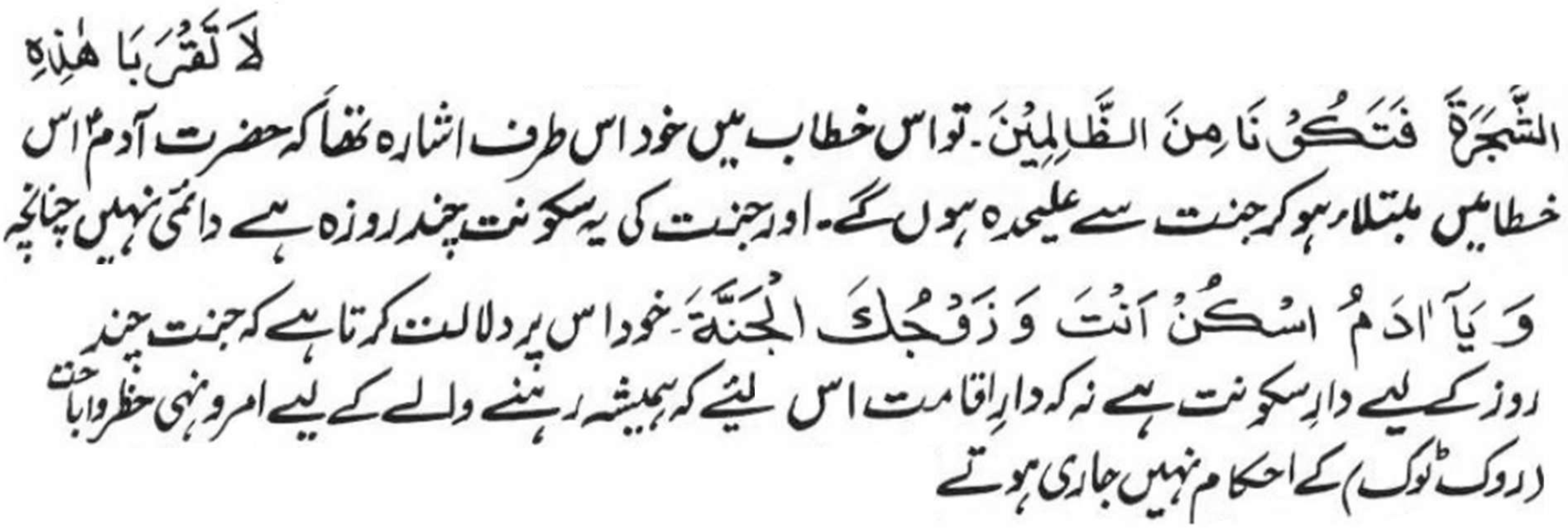

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ تو اس خطاب میں خود اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت آدمؑ اس خطا میں مبتلا ہو کر جنت سے علیحدہ ہوں گے۔ اور جنت کی یہ سکونت چند روزہ ہے دائمی نہیں چنانچہ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ جنت چند روز کے لیے دارِ سکونت ہے نہ کہ دارِ اقامت اس لئے کہ ہمیشہ رہنے والے کے لیے امر و نہی حظر و اباحت (روک ٹوک) کے احکام نہیں جاری ہوتے

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

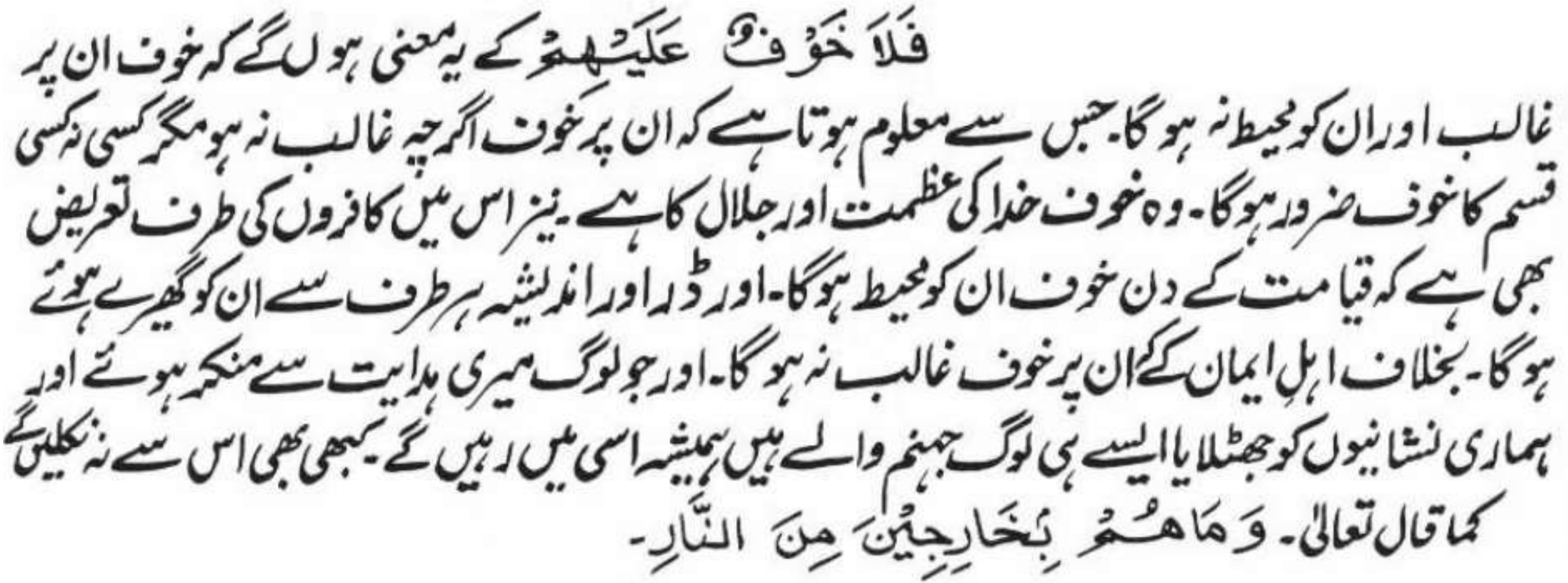

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ خوف ان پر غالب اور ان کو محیط نہ ہو گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر خوف اگرچہ غالب نہ ہو مگر کسی نہ کسی قسم کا خوف ضرور ہو گا۔ وہ خوف خدا کی عظمت اور جلال کا ہے۔ نیز اس میں کافروں کی طرف تعریض بھی ہے کہ قیامت کے دن خوف ان کو محیط ہو گا۔ اور ڈر اور اندیشہ ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہو گا۔ بخلاف اہلِ ایمان کے کہ ان پر خوف غالب نہ ہو گا۔ اور جو لوگ میری ہدایت سے منکر ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ جہنم والے ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ کبھی بھی اس سے نہ نکلیں گے کما قال تعالیٰ۔ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۹ ع

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

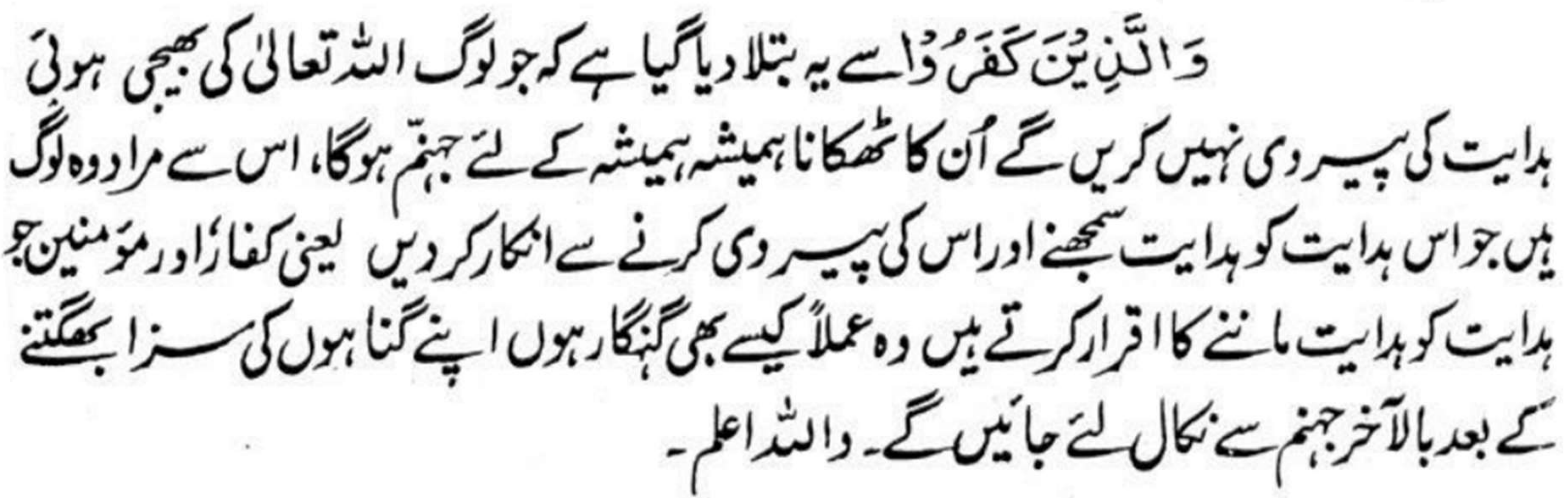

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی نہیں کریں گے اُن کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہوگا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس ہدایت کو ہدایت سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے سے انکار کر دیں یعنی کفار، اور مؤمنین جو ہدایت کو ہدایت ماننے کا اقرار کرتے ہیں وہ عملاً کیسے بھی گنہگار ہوں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بالآخر جہنم سے نکال لئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

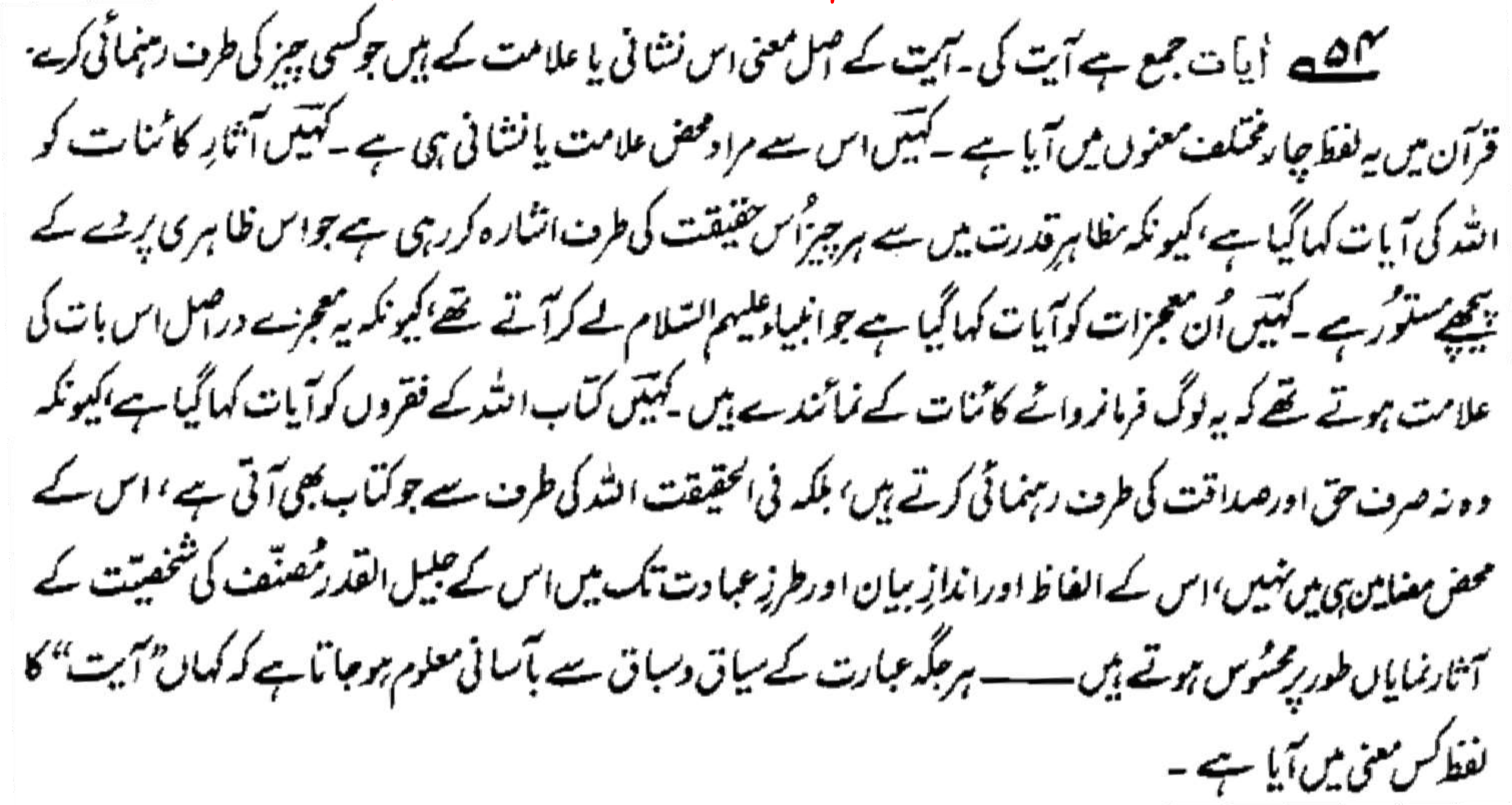

۵۴؎ آیات جمع ہے آیت کی۔ آیت کے اصل معنی اس نشانی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن میں یہ لفظ چار مختلف معنوں میں آیا ہے۔ کہیں اس سے مراد محض علامت یا نشانی ہی ہے۔ کہیں آثارِ کائنات کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے، کیونکہ مظاہرِ قدرت میں سے ہر چیز اُس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو اس ظاہری پردے کے پیچھے مستور ہے۔ کہیں اُن معجزات کو آیات کہا گیا ہے جو انبیاء علیہم السّلام لے کر آتے تھے، کیونکہ یہ معجزے دراصل اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرمانروائے کائنات کے نمائندے ہیں۔ کہیں کتاب اللہ کے فقروں کو آیات کہا گیا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حق اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے، اس کے محض مضامین ہی میں نہیں، اس کے الفاظ اور اندازِ بیان اور طرزِ عبادت تک میں اس کے جلیل القدر مُصنّف کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر محسُوس ہوتے ہیں —— ہر جگہ عبارت کے سیاق وسباق سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں "آیت" کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيٓ

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝٤٠

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

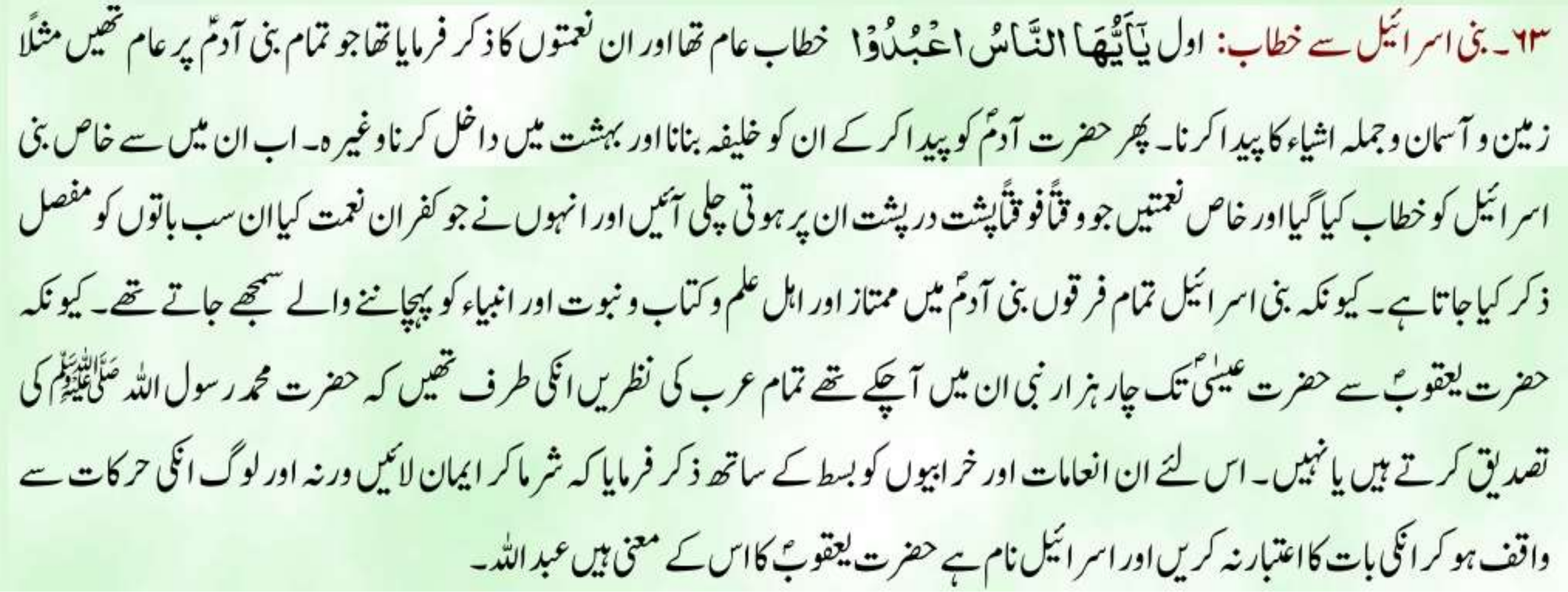

٦٣۔ بنی اسرائیل سے خطاب: اول یَآَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا خطاب عام تھا اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو تمام بنی آدمؑ پر عام تھیں مثلاً زمین و آسمان و جملہ اشیاء کا پیدا کرنا۔ پھر حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے ان کو خلیفہ بنانا اور بہشت میں داخل کرنا وغیرہ۔ اب ان میں سے خاص بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا اور خاص نعمتیں جو وقتاً فوقتاً پشت در پشت ان پر ہوتی چلی آئیں اور انہوں نے جو کفران نعمت کیا ان سب باتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں بنی آدمؑ میں ممتاز اور اہل علم و کتاب و نبوت اور انبیاء کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک چار ہزار نبی ان میں آچکے تھے تمام عرب کی نظریں انکی طرف تھیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے ان انعامات اور خرابیوں کو بسط کے ساتھ ذکر فرمایا کہ شرما کر ایمان لائیں ورنہ اور لوگ انکی حرکات سے واقف ہو کر انکی بات کا اعتبار نہ کریں اور اسرائیل نام ہے حضرت یعقوبؑ کا اس کے معنی ہیں عبد اللہ۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

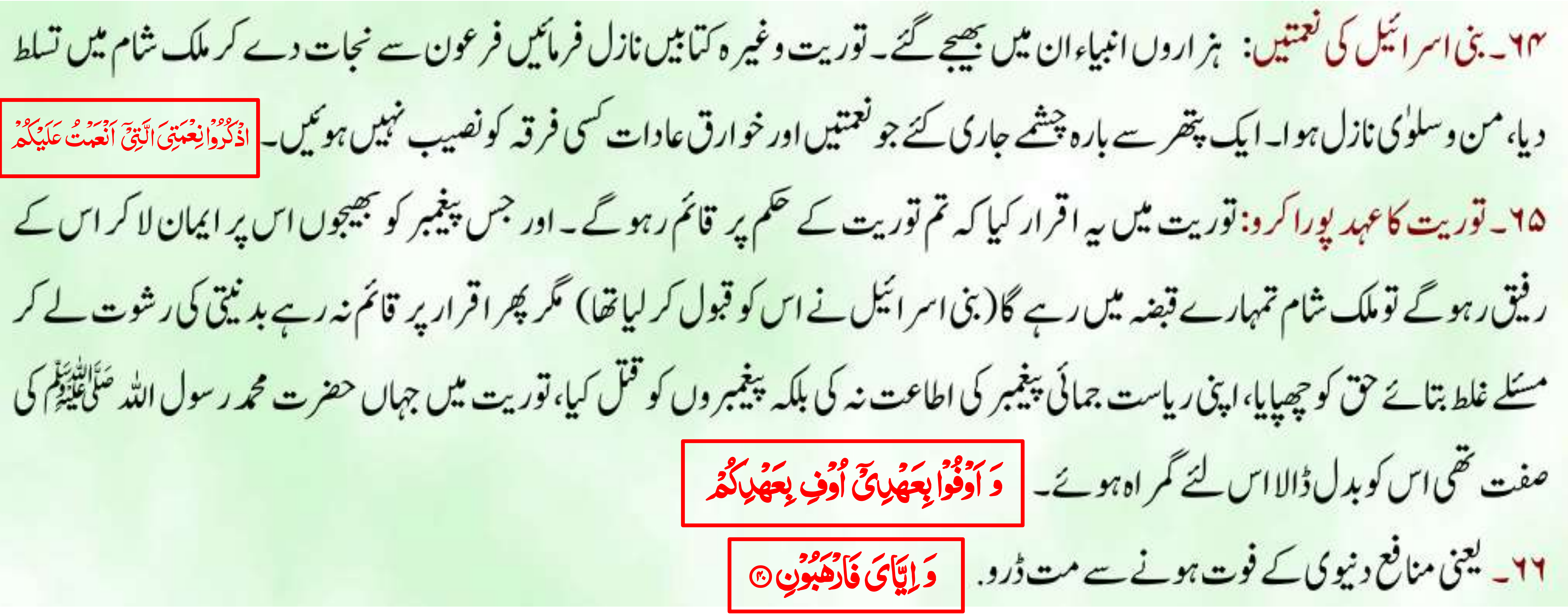

۶۴۔ بنی اسرائیل کی نعمتیں: ہزاروں انبیاء ان میں بھیجے گئے۔ توریت وغیرہ کتابیں نازل فرمائیں فرعون سے نجات دے کر ملک شام میں تسلط دیا، من وسلوٰی نازل ہوا۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کئے جو نعمتیں اور خوارق عادات کسی فرقہ کو نصیب نہیں ہوئیں۔

اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

۶۵۔ توریت کا عہد پورا کرو: توریت میں یہ اقرار کیا کہ تم توریت کے حکم پر قائم رہو گے۔ اور جس پیغمبر کو بھیجوں اس پر ایمان لا کر اس کے رفیق رہو گے تو ملک شام تمہارے قبضہ میں رہے گا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر اقرار پر قائم نہ رہے بدنیتی کی رشوت لے کر مسئلے غلط بتائے حق کو چھپایا، اپنی ریاست جمائی پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ پیغمبروں کو قتل کیا، توریت میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لئے گمراہ ہوئے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ

۶۶۔ یعنی منافع دنیوی کے فوت ہونے سے مت ڈرو۔

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۴۷)''اسرائیل'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ تمام تر یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نہ صرف ان کو اسلام کی دعوت دی تھی، بلکہ ان سے امن کا معاہدہ بھی فرمایا تھا۔ لہٰذا اس مدنی سورت میں زیرِ نظر آیت سے آیت ۱۴۳ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جس میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے اور ان کو نصیحت کرنے کے ساتھ ان کی بدعنوانیوں پر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ شروع میں ان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے انعامات فرمائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا

جاری ہے

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

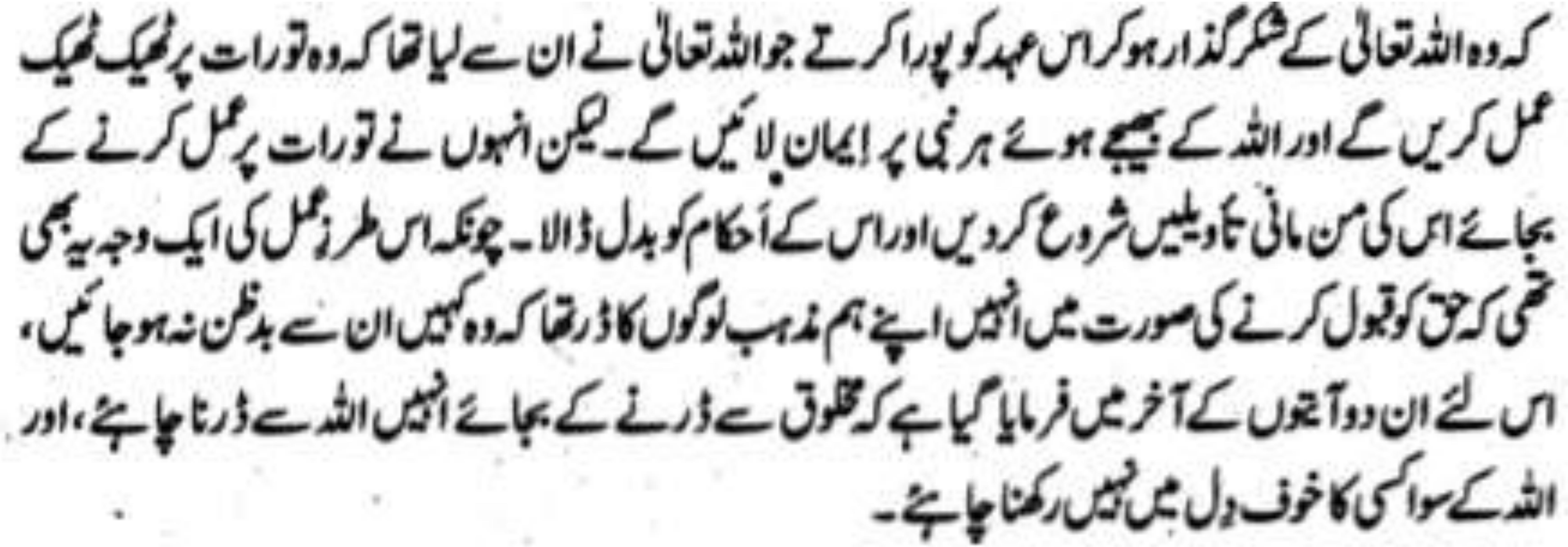

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گذار ہو کر اس عہد کو پورا کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ وہ تورات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر ایمان لائیں گے۔ لیکن انہوں نے تورات پر عمل کرنے کے بجائے اس کی من مانی تاویلیں شروع کر دیں اور اس کے احکام کو بدل ڈالا۔ چونکہ اس طرز عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کا ڈر تھا کہ وہ کہیں ان سے بدظن نہ ہو جائیں، اس لئے ان دو آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ مخلوق سے ڈرنے کے بجائے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف دل میں نہیں رکھنا چاہئے۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

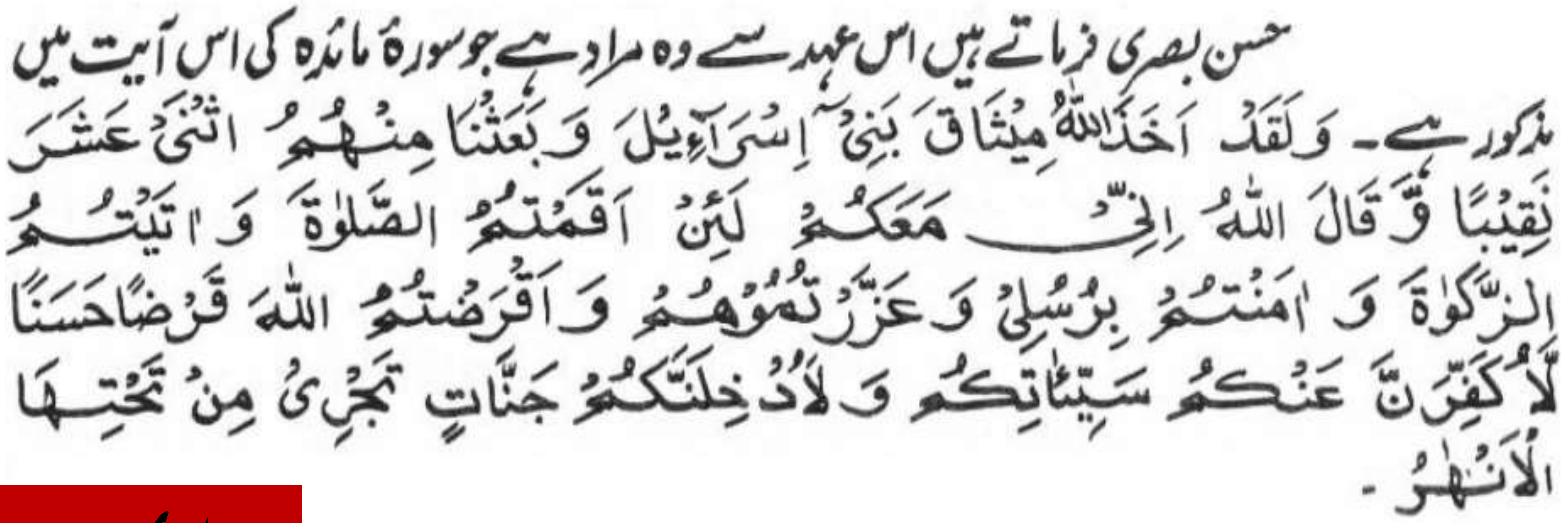

حسن بصری فرماتے ہیں اس عہد سے وہ مراد ہے جو سورۂ مائدہ کی اس آیت میں مذکور ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا وَّقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ۔

جاری ہے

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

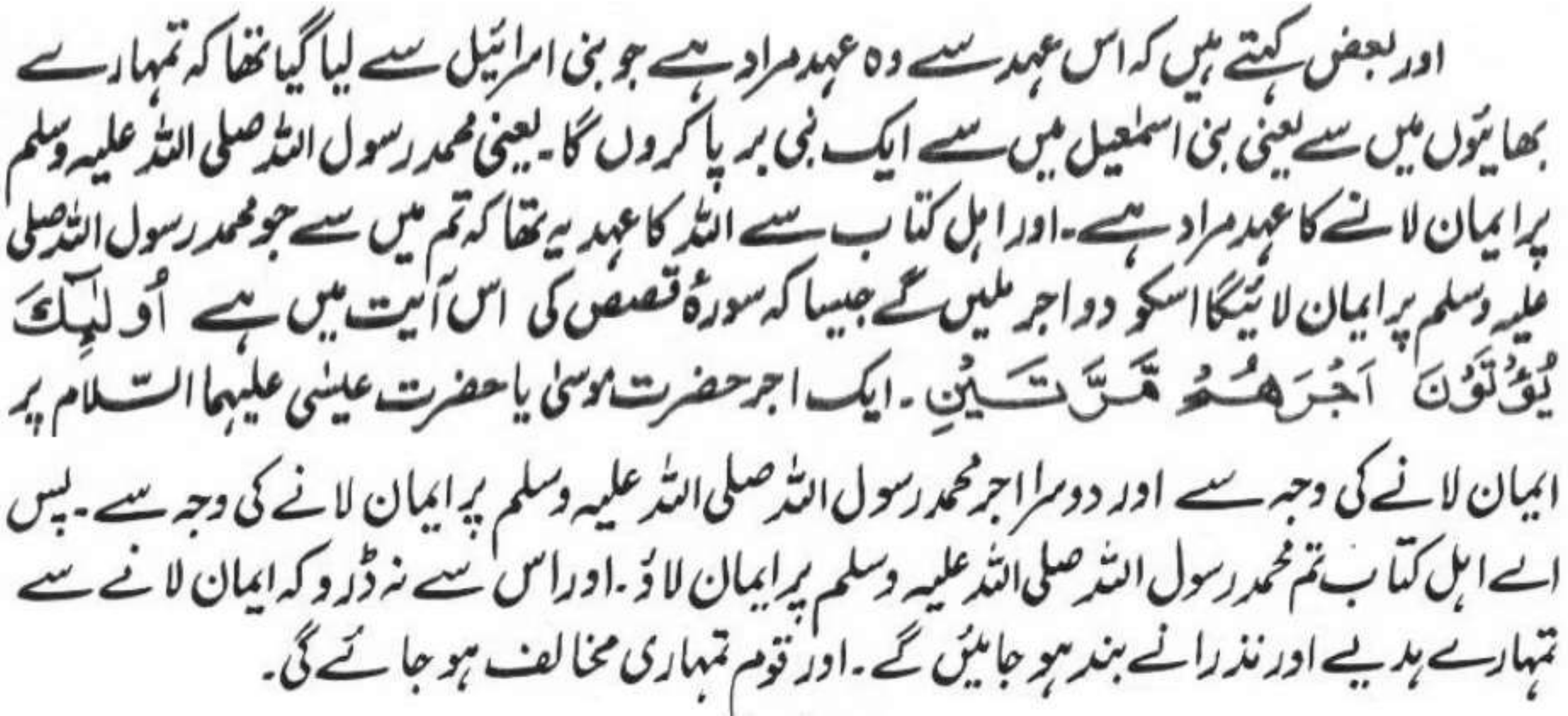

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد سے وہ عہد مراد ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ تمہارے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد مراد ہے۔ اور اہل کتاب سے اللہ کا عہد یہ تھا کہ تم میں سے جو محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر ایمان لائیگا اسکو دو اجر ملیں گے جیسا کہ سورۂ قصص کی اس آیت میں ہے اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ ۔ ایک اجر حضرت موسٰی یا حضرت عیسٰی علیہما السلام پر ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا اجر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ پس اے اہل کتاب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اور اس سے نہ ڈرو کہ ایمان لانے سے تمہارے ہدیے اور نذرانے بند ہو جائیں گے۔ اور قوم تمہاری مخالف ہو جائے گی۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

بنی اسرائیل سے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا۔ تورات میں کتابِ استثناء یا سفرِ استثناء (Deuteronomy) کے اٹھارہویں باب کی آیات ۱۸۔۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے:

> ”میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا‘ نہ سنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔“

یہ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کو بتایا جا رہا تھا کہ نبی آخر الزماں (ﷺ) آئیں گے اور تمہیں ان کی نبوت کو تسلیم کرنا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا۔ یہاں فرمایا کہ تم میرا عہد پورا کرو‘ میرے اس نبیؐ کو تسلیم کرو‘ اُس پر ایمان لاؤ‘ اس کی صدا پر لبیک کہو تو میرے انعام واکرام مزید بڑھتے چلے جائیں گے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

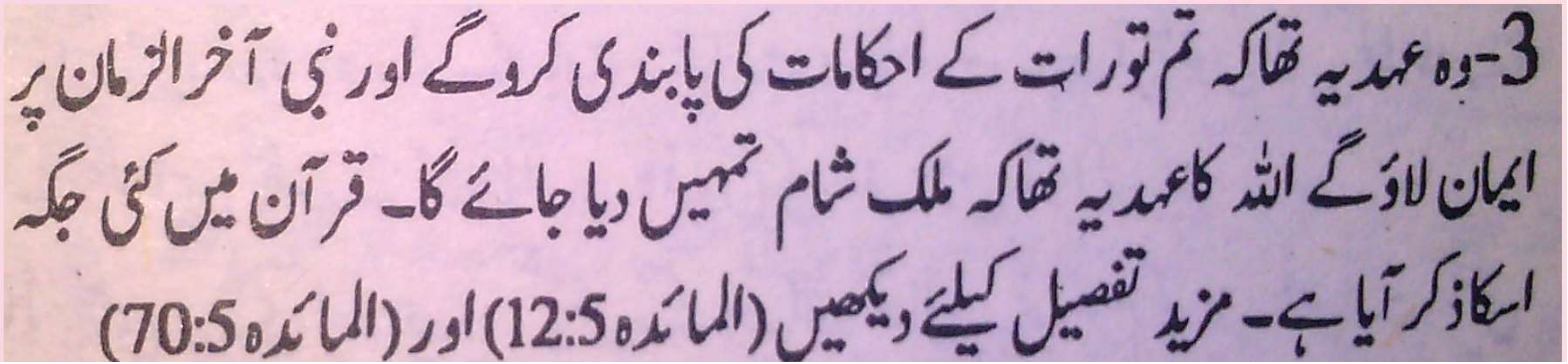

3-وہ عہد یہ تھا کہ تم تورات کے احکامات کی پابندی کروگے اور نبی آخرالزمان پر ایمان لاؤگے اللہ کا عہد یہ تھا کہ ملک شام تمہیں دیا جائے گا۔ قرآن میں کئی جگہ اسکا ذکر آیا ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھیں (المائدہ 12:5) اور (المائدہ 70:5)

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

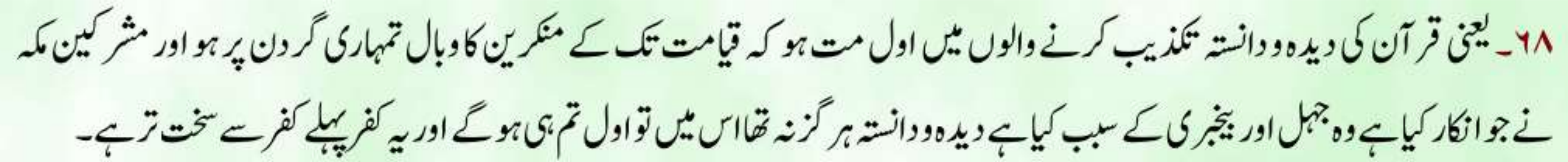

۶۸۔ یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اول مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بیخبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اول تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

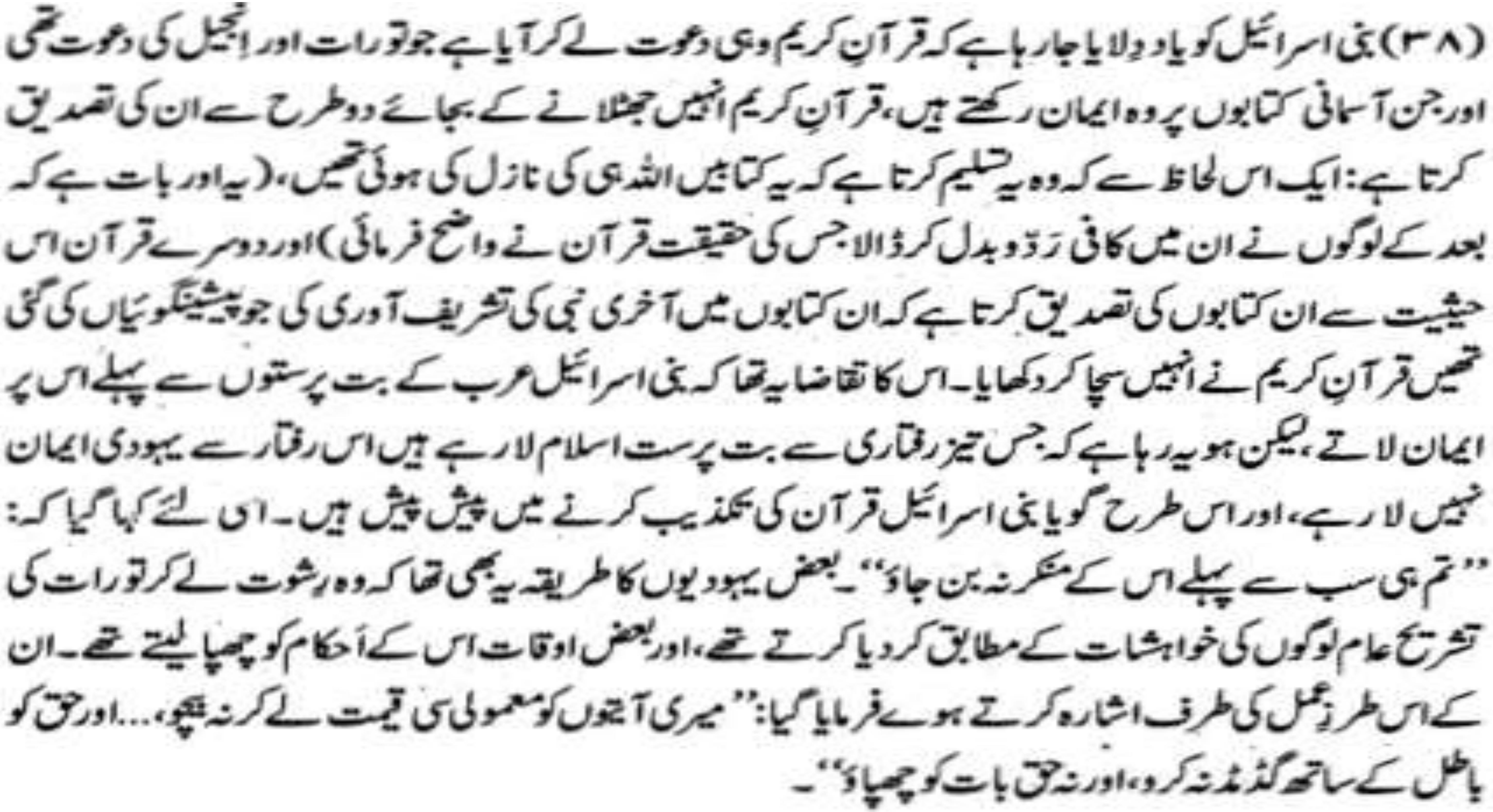

(۳۸) بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ قرآنِ کریم وہی دعوت لے کر آیا ہے جو تورات اور اِنجیل کی دعوت تھی اور جن آسمانی کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، قرآنِ کریم انہیں جھٹلانے کے بجائے دو طرح سے ان کی تصدیق کرتا ہے: ایک اس لحاظ سے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ ہی کی نازل کی ہوئی تھیں، (یہ اور بات ہے کہ بعد کے لوگوں نے ان میں کافی ردّ و بدل کر ڈالا جس کی حقیقت قرآن نے واضح فرمائی) اور دوسرے قرآن اس حیثیت سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں آخری نبی کی تشریف آوری کی جو پیشنگوئیاں کی گئی تھیں قرآنِ کریم نے انہیں سچا کر دکھایا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل عرب کے بت پرستوں سے پہلے اس پر ایمان لاتے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس تیز رفتاری سے بت پرست اسلام لا رہے ہیں اس رفتار سے یہودی ایمان نہیں لا رہے، اور اس طرح گویا بنی اسرائیل قرآن کی تکذیب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ: ”تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ“۔ بعض یہودیوں کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رشوت لے کر تورات کی تشریح عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق کر دیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اس کے اَحکام کو چھپا لیتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، ...اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ“۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

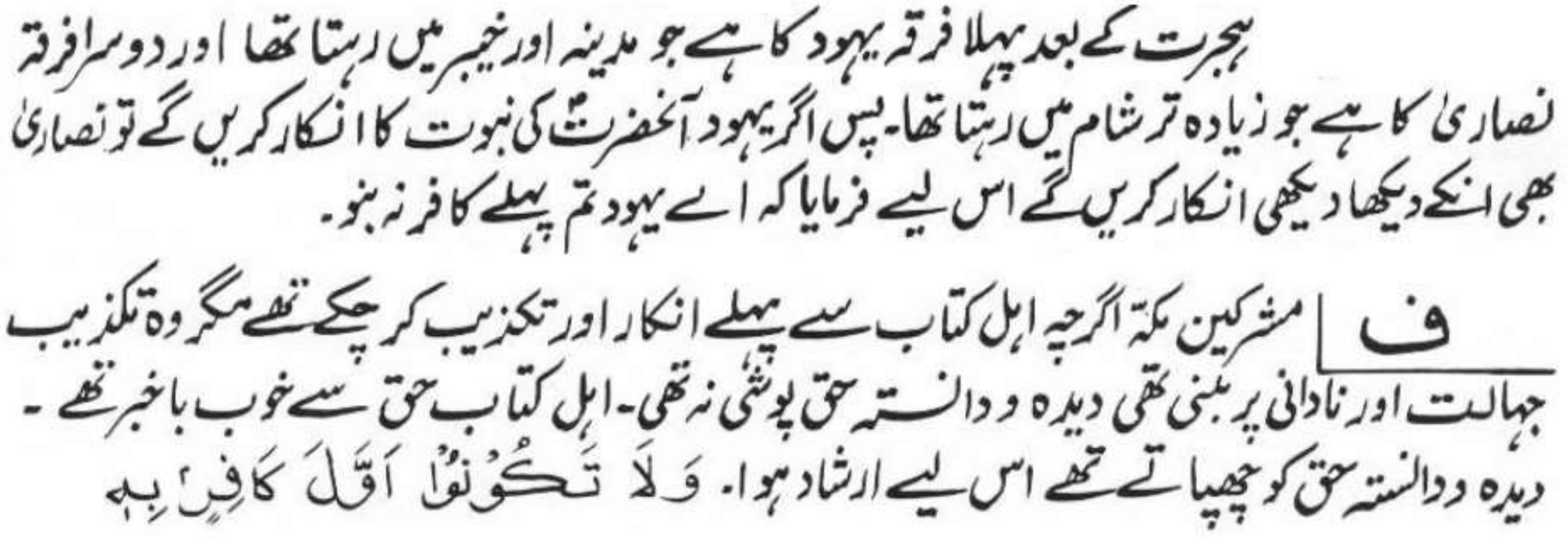

ہجرت کے بعد پہلا فرقہ یہود کا ہے جو مدینہ اور خیبر میں رہتا تھا اور دوسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو زیادہ تر شام میں رہتا تھا۔ پس اگر یہود آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کریں گے تو نصاریٰ بھی انکے دیکھا دیکھی انکار کریں گے اس لیے فرمایا کہ اے یہود تم پہلے کافر نہ بنو۔

ف مشرکین مکہ اگرچہ اہل کتاب سے پہلے انکار اور تکذیب کر چکے تھے مگر وہ تکذیب جہالت اور نادانی پر مبنی تھی دیدہ و دانستہ حق پوشی نہ تھی۔ اہل کتاب حق سے خوب باخبر تھے۔ دیدہ و دانستہ حق کو چھپاتے تھے اس لیے ارشاد ہوا۔ وَلَا تَكُونُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

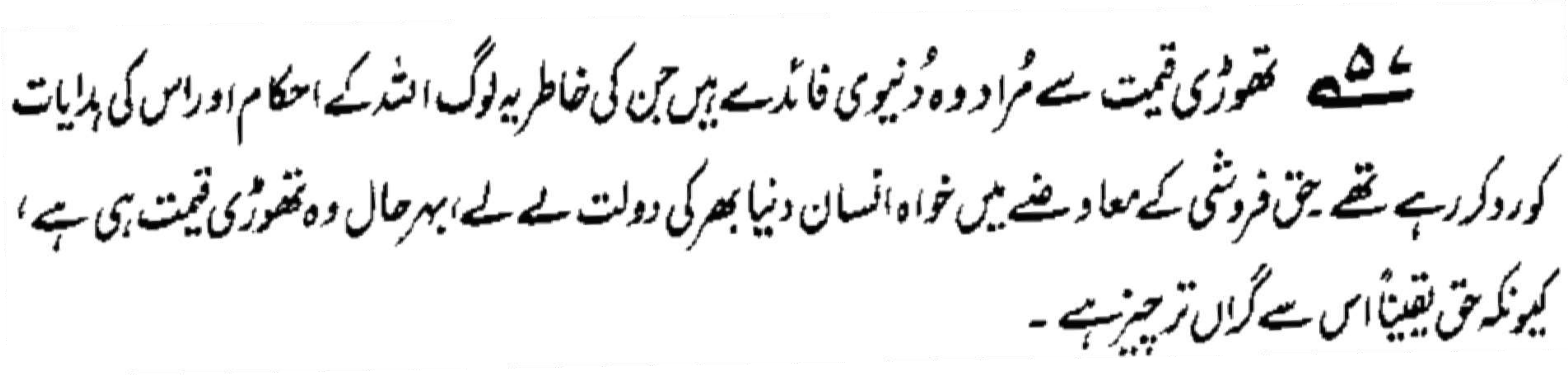

۵۷ تھوڑی قیمت سے مُراد وہ دُنیوی فائدے ہیں جن کی خاطر یہ لوگ اللہ کے احکام اور اس کی ہدایات کو رد کر رہے تھے۔ حق فروشی کے معاوضے میں خواہ انسان دنیا بھر کی دولت لے لے، بہرحال وہ تھوڑی قیمت ہی ہے، کیونکہ حق یقیناً اس سے گراں تر چیز ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

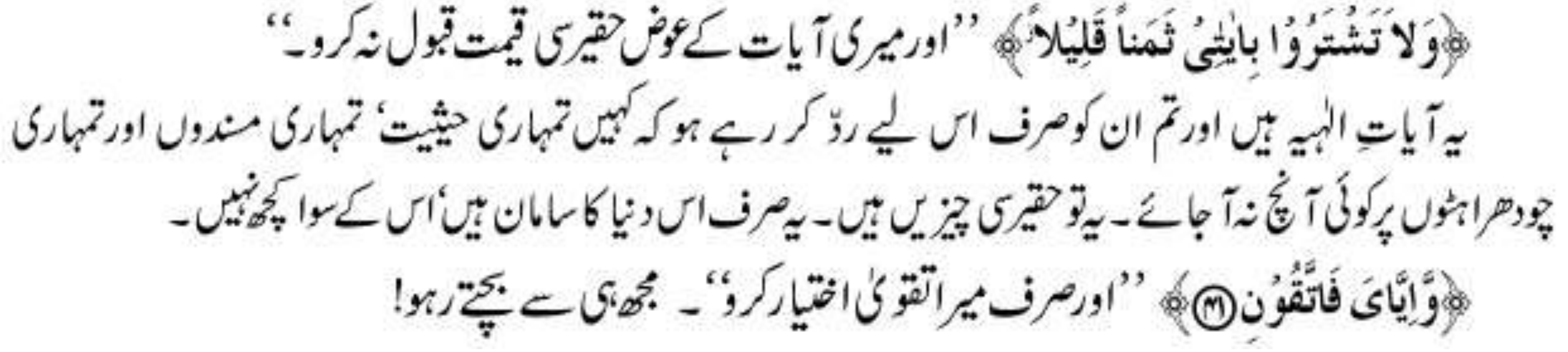

﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ”اور میری آیات کے عوض حقیر سی قیمت قبول نہ کرو۔“
یہ آیاتِ الٰہیہ ہیں اور تم ان کو صرف اس لیے ردّ کر رہے ہو کہ کہیں تمہاری حیثیت‘ تمہاری مسندوں اور تمہاری
چودھراہٹوں پر کوئی آنچ نہ آ جائے۔ یہ تو حقیر سی چیزیں ہیں۔ یہ صرف اس دنیا کا سامان ہیں‘ اس کے سوا کچھ نہیں۔
﴿وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱﴾ ”اور صرف میرا تقویٰ اختیار کرو“۔ مجھ ہی سے بچتے رہو!

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ :

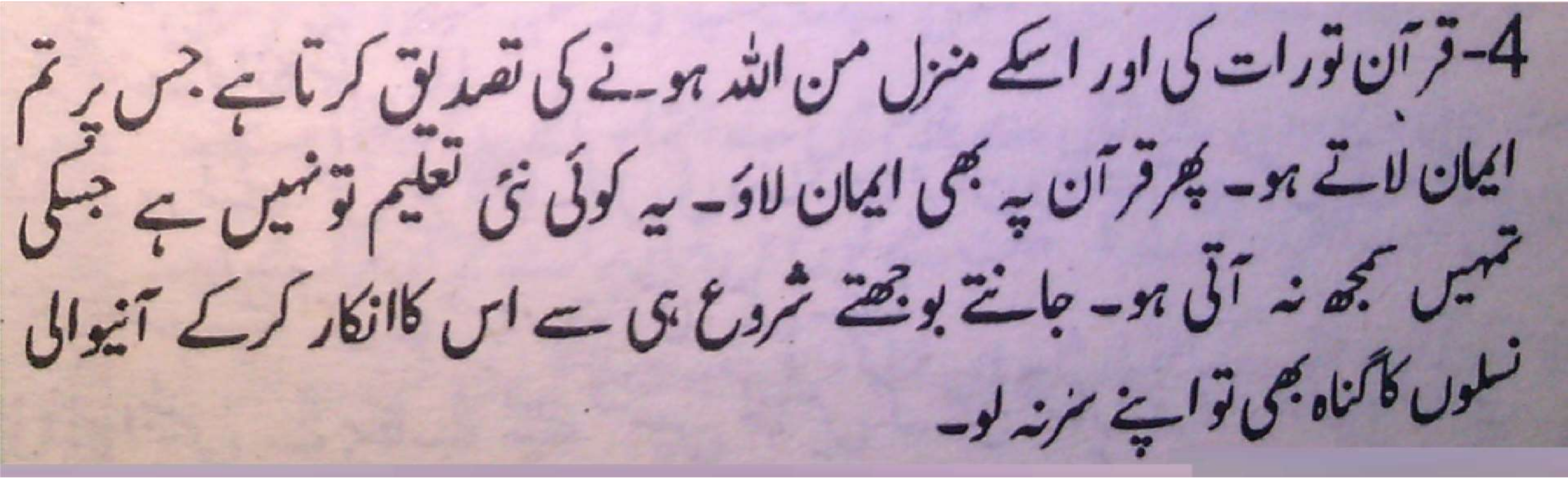

4- قرآن تورات کی اور اسکے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے جس پر تم ایمان لاتے ہو۔ پھر قرآن پہ بھی ایمان لاؤ۔ یہ کوئی نئی تعلیم تو نہیں ہے جسکی تمہیں سمجھ نہ آتی ہو۔ جانتے بوجھتے شروع ہی سے اس کا انکار کر کے آنیوالی نسلوں کا گناہ بھی تو اپنے سر نہ لو۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لیجیے کہ مغالطے میں غلط راہ پر پڑ جانا ضلالت اور گمراہی ہے' لیکن جانتے بوجھتے حق کو پہچان کر اُسے ردّ کرنا اور باطل کی روش اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اسی سورۃ البقرۃ میں آگے چل کر آئے گا کہ علماءِ یہود محمد رسول اللہ ﷺ کو اور قرآن کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے: ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ﴾ (آیت ۱۴۶) لیکن اس کے باوجود انہوں نے محض اپنی دُنیوی مصلحتوں کے پیش نظر آپ ﷺ اور قرآن کی تکذیب کی۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

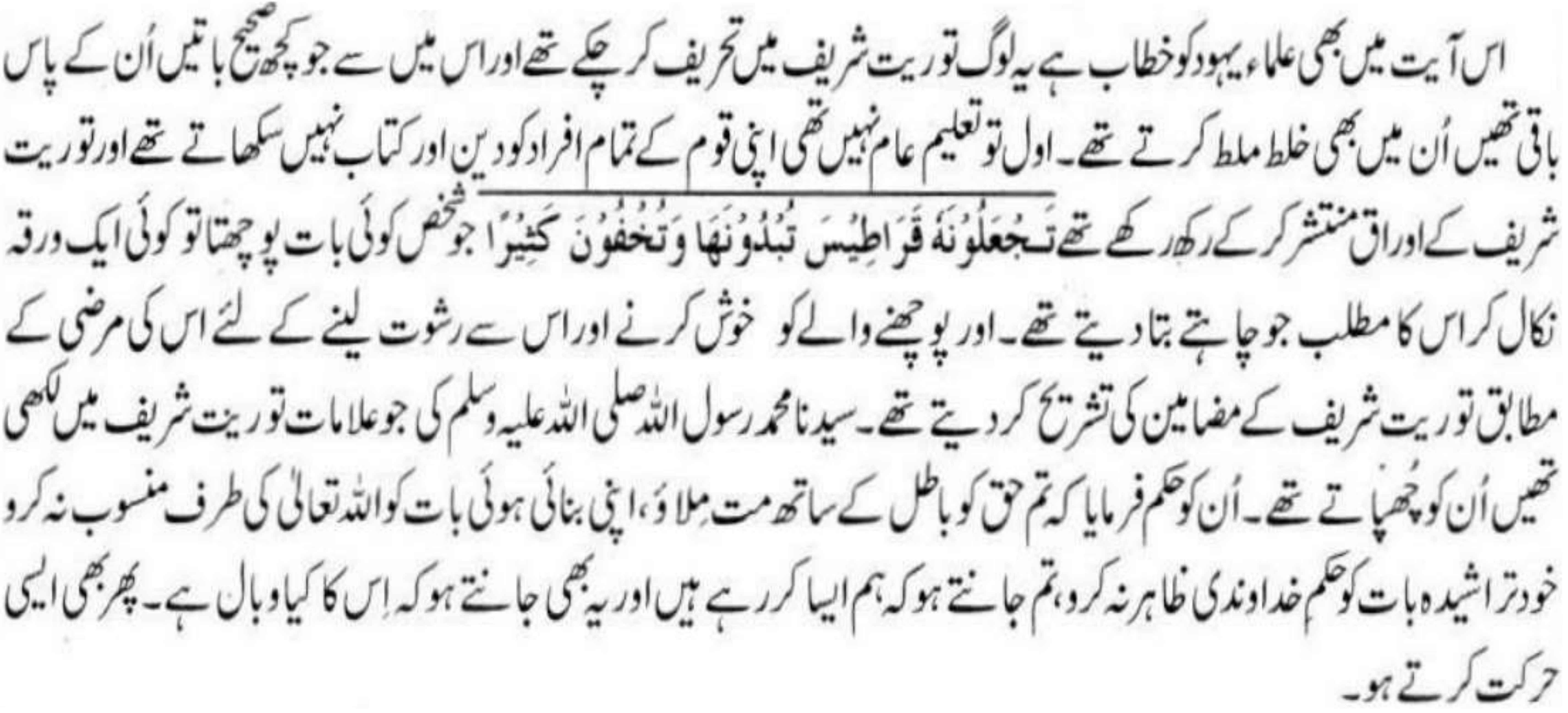

اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ توریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے جو کچھ صحیح باتیں اُن کے پاس باقی تھیں اُن میں بھی خلط ملط کرتے تھے۔ اول تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور توریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورقہ نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لئے اس کی مرضی کے مطابق توریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات توریت شریف میں لکھی تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ اُن کو حکم فرمایا کہ تم حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ، اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو، تم جانتے ہو کہ ہم ایسا کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ اِس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ۴۳

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

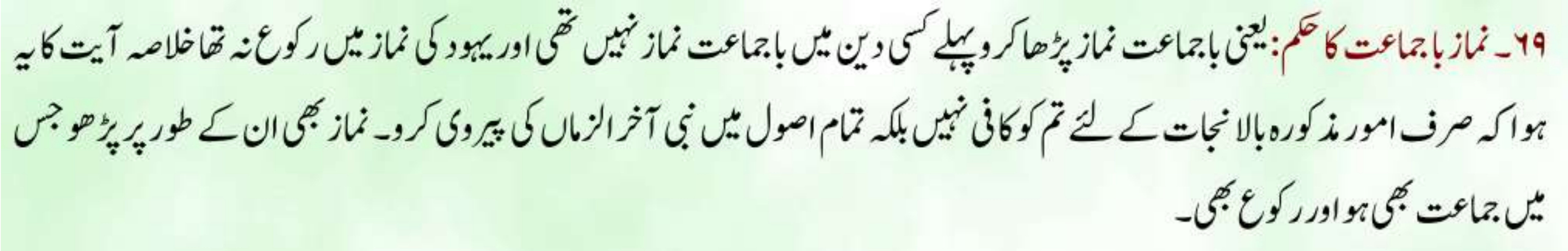

٦٩۔ نماز باجماعت کا حکم: یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی اور یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کے لئے تم کو کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخر الزماں کی پیروی کرو۔ نماز بھی ان کے طور پر پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۳۹) رُکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہودیوں کی نماز میں رُکوع نہیں ہوتا تھا۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

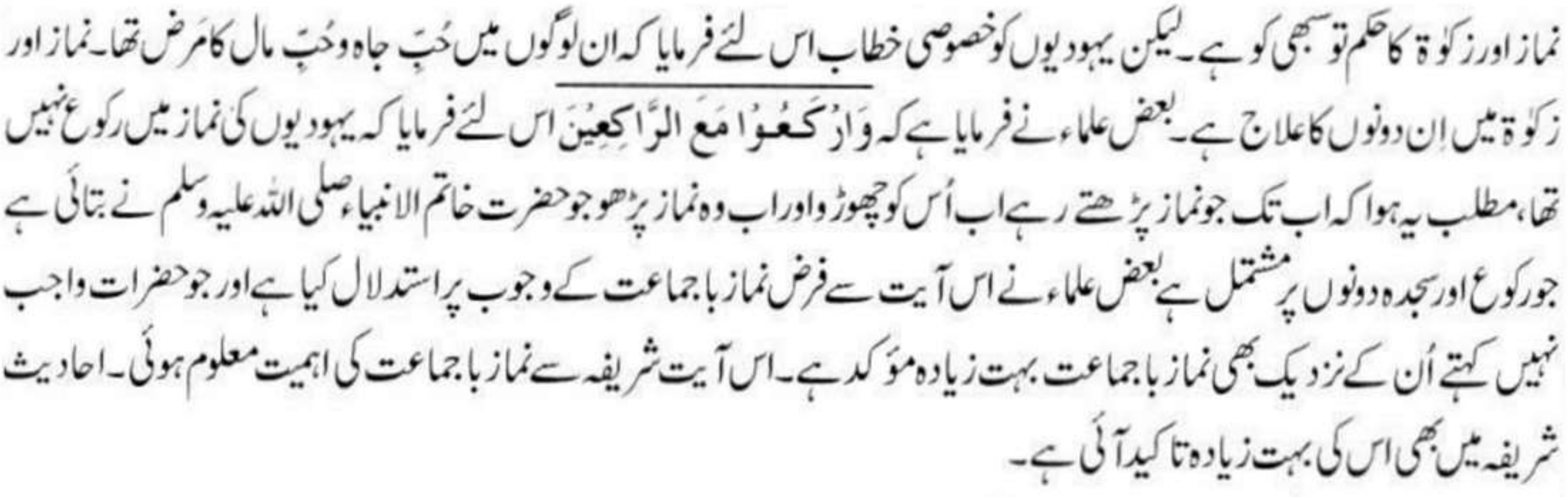

نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں میں حُبِّ جاہ وحُبِّ مال کا مَرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں اِن دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اُس کو چھوڑو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور جو حضرات واجب نہیں کہتے اُن کے نزدیک بھی نماز باجماعت بہت زیادہ مؤکد ہے۔ اس آیت شریفہ سے نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ

الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۷۰۔ صرف تبلیغ کافی نہیں عمل بھی ضروری ہے: بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے۔ اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو بحکم قاعدہ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرما دیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیئے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

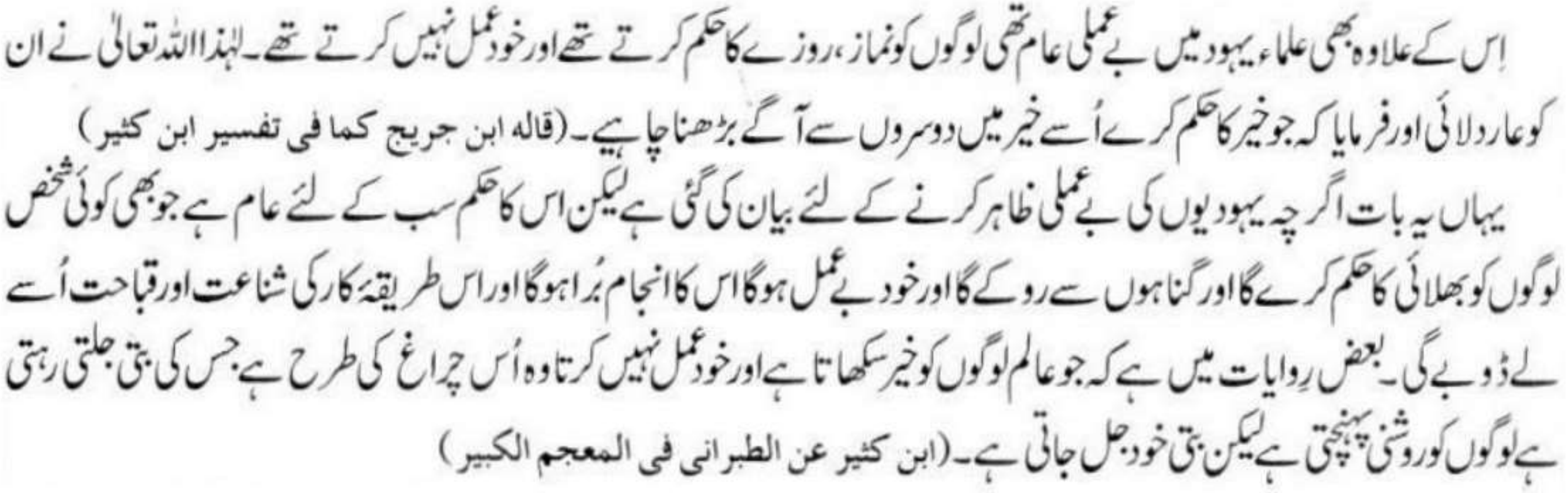

اس کے علاوہ بھی علماء یہود میں بے عملی عام تھی لوگوں کو نماز، روزے کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلائی اور فرمایا کہ جو خیر کا حکم کرے اُسے خیر میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہیے۔ (قاله ابن جريج كما فى تفسير ابن كثير)

یہاں یہ بات اگرچہ یہودیوں کی بے عملی ظاہر کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے لئے عام ہے جو بھی کوئی شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے گا اور گناہوں سے روکے گا اور خود بے عمل ہوگا اس کا انجام بُرا ہوگا اور اس طریقۂ کار کی شناعت اور قباحت اُسے لے ڈوبے گی۔ بعض رِوایات میں ہے کہ جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اُس چراغ کی طرح ہے جس کی بتی جلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن كثير عن الطبرانى فى المعجم الكبير)

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

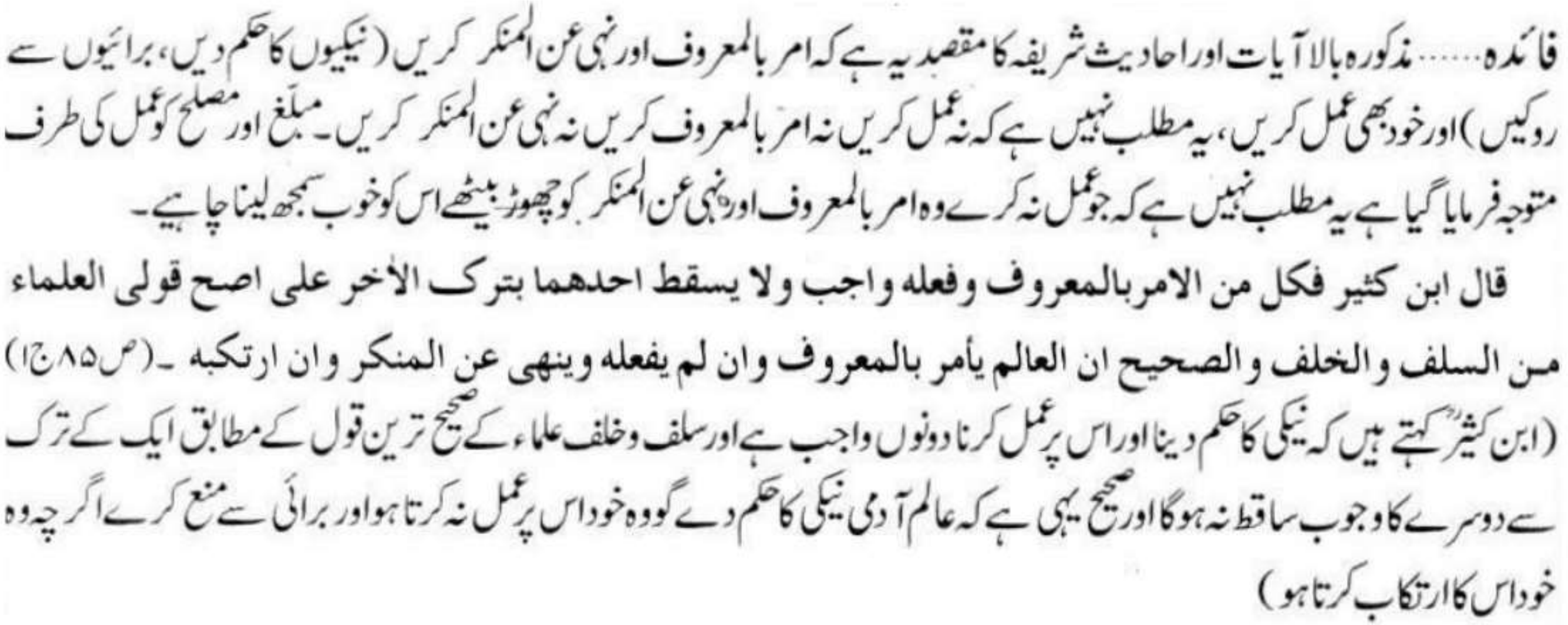

فائدہ...... مذکورہ بالا آیات اور احادیث شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں (نیکیوں کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں) اور خود بھی عمل کریں، یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کریں نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کریں۔ مبلّغ اور مصلح کو عمل کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔

قال ابن کثیر فکل من الامر بالمعروف وفعله واجب ولا یسقط احدهما بترک الأخر علی اصح قولی العلماء من السلف والخلف والصحیح ان العالم یأمر بالمعروف وان لم یفعله وینهی عن المنکر وان ارتکبه ۔ (ص ۸۵ ج ۱)

(ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ نیکی کا حکم دینا اور اس پر عمل کرنا دونوں واجب ہے اور سلف وخلف علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ایک کے ترک سے دوسرے کا وجوب ساقط نہ ہوگا اور صحیح یہی ہے کہ عالم آدمی نیکی کا حکم دے گو وہ خود اس پر عمل نہ کرتا ہو اور برائی سے منع کرے اگرچہ وہ خود اس کا ارتکاب کرتا ہو)

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾

ابن کثیرؒ (تفسیر ابن کثیر میں) فرماتے ہیں کہ:

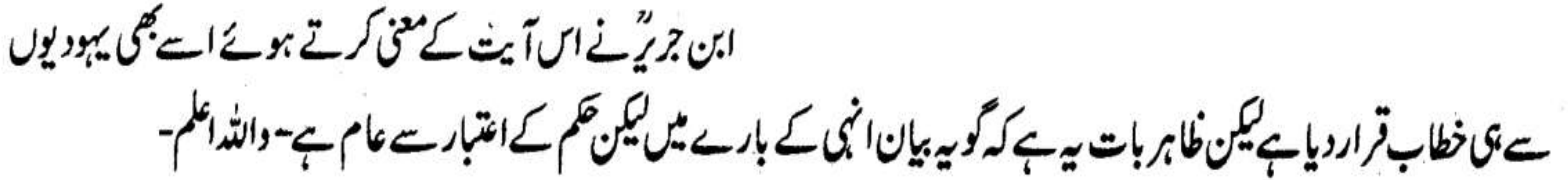
ابن جریرؒ نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں
سے ہی خطاب قرار دیا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گو یہ بیان انہی کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

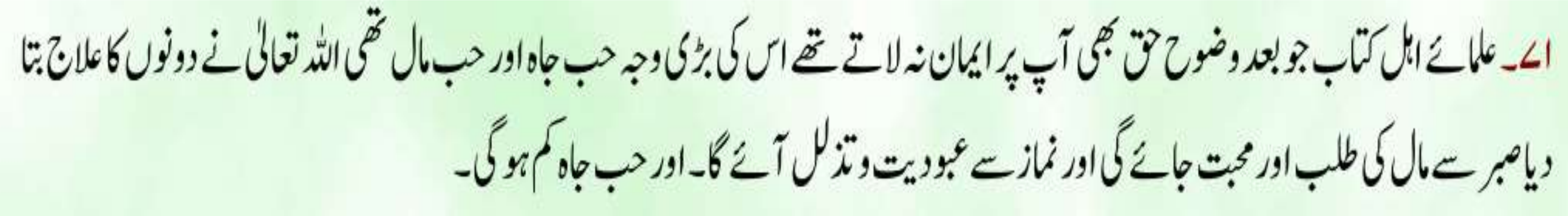

۱۷۔ علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت و تذلل آئے گا۔ اور حب جاہ کم ہو گی۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

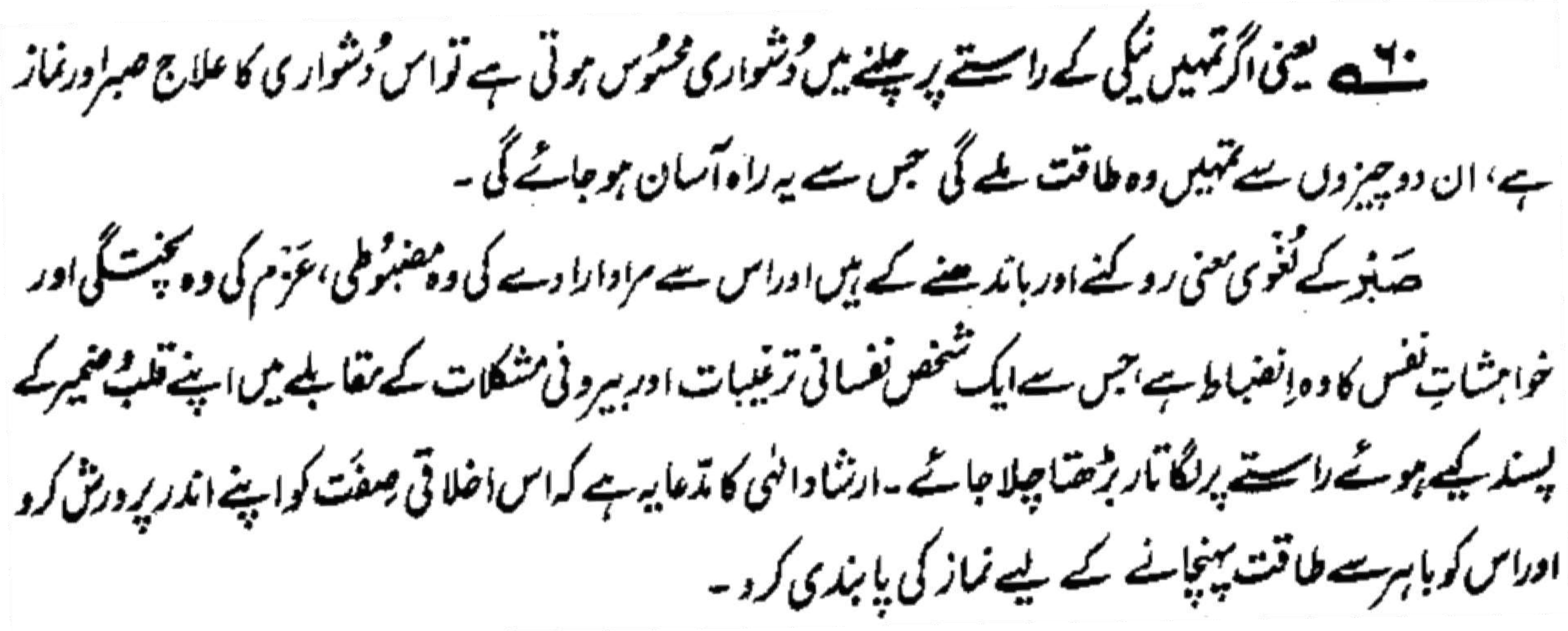

۶۰ یعنی اگر تمہیں نیکی کے راستے پر چلنے میں دُشواری محسوس ہوتی ہے تو اس دُشواری کا علاج صبر اور نماز ہے، ان دو چیزوں سے تمہیں وہ طاقت ملے گی جس سے یہ راہ آسان ہو جائے گی۔

صَبْر کے لُغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عَزم کی وہ پختگی اور خواہشاتِ نفس کا وہ اِنضباط ہے، جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا چلا جائے۔ ارشادِ الٰہی کا مدعا یہ ہے کہ اس اخلاقی صفت کو اپنے اندر پرورش کرو اور اس کو باہر سے طاقت پہنچانے کے لیے نماز کی پابندی کرو۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

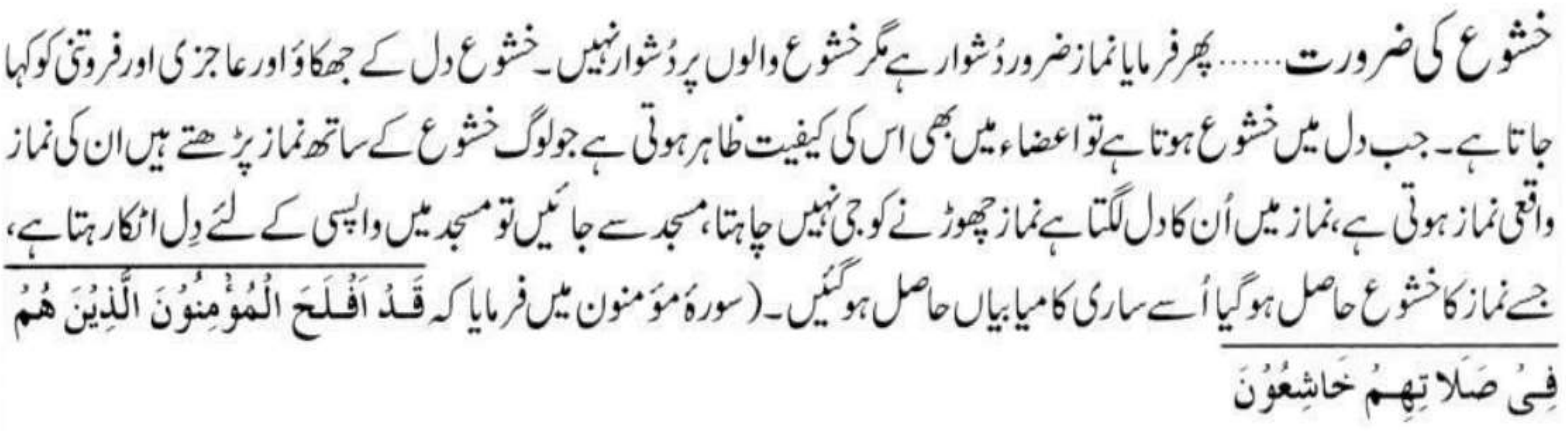

خشوع کی ضرورت...... پھر فرمایا نماز ضرور دُشوار ہے مگر خشوع والوں پر دُشوار نہیں۔ خشوع دل کے جھکاؤ اور عاجزی اور فروتنی کو کہا جاتا ہے۔ جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی اس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو لوگ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز واقعی نماز ہوتی ہے، نماز میں اُن کا دل لگتا ہے نماز چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، مسجد سے جائیں تو مسجد میں واپسی کے لئے دِل اٹکا رہتا ہے، جسے نماز کا خشوع حاصل ہوگیا اُسے ساری کامیابیاں حاصل ہوگئیں۔ (سورۂ مؤمنون میں فرمایا کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

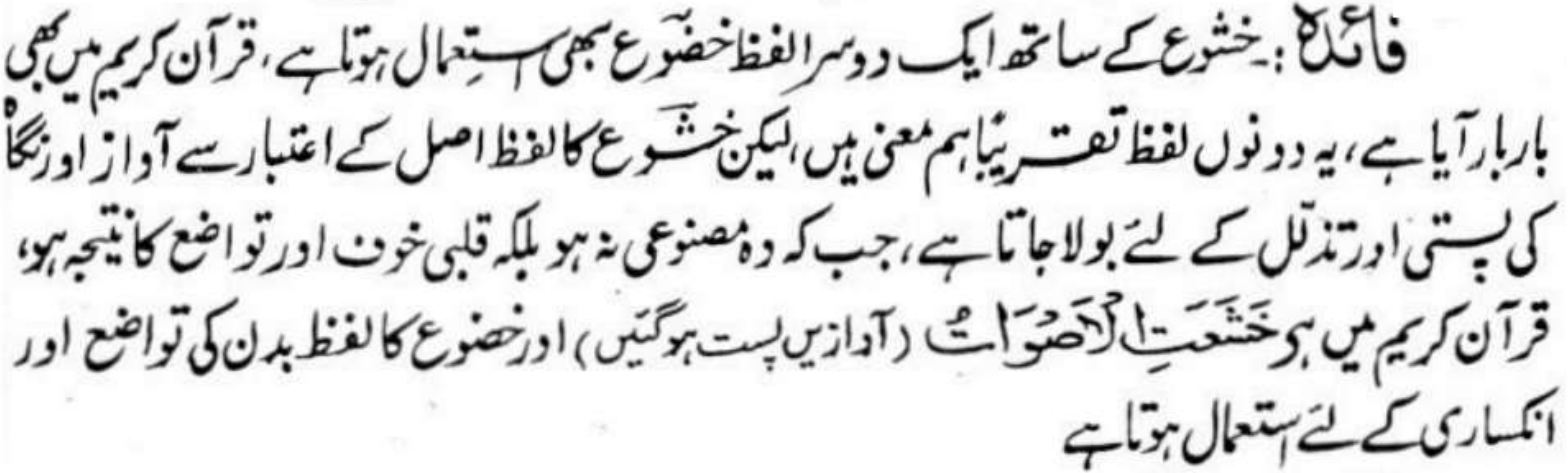

فائدہ: خشوع کے ساتھ ایک دوسرا لفظ خضوع بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے، یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں، لیکن خشوع کا لفظ اصل کے اعتبار سے آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لئے بولا جاتا ہے، جب کہ وہ مصنوعی نہ ہو بلکہ قلبی خوف اور تواضع کا نتیجہ ہو، قرآن کریم میں ہے خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (آوازیں پست ہوگئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی تواضع اور انکساری کے لئے استعمال ہوتا ہے

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

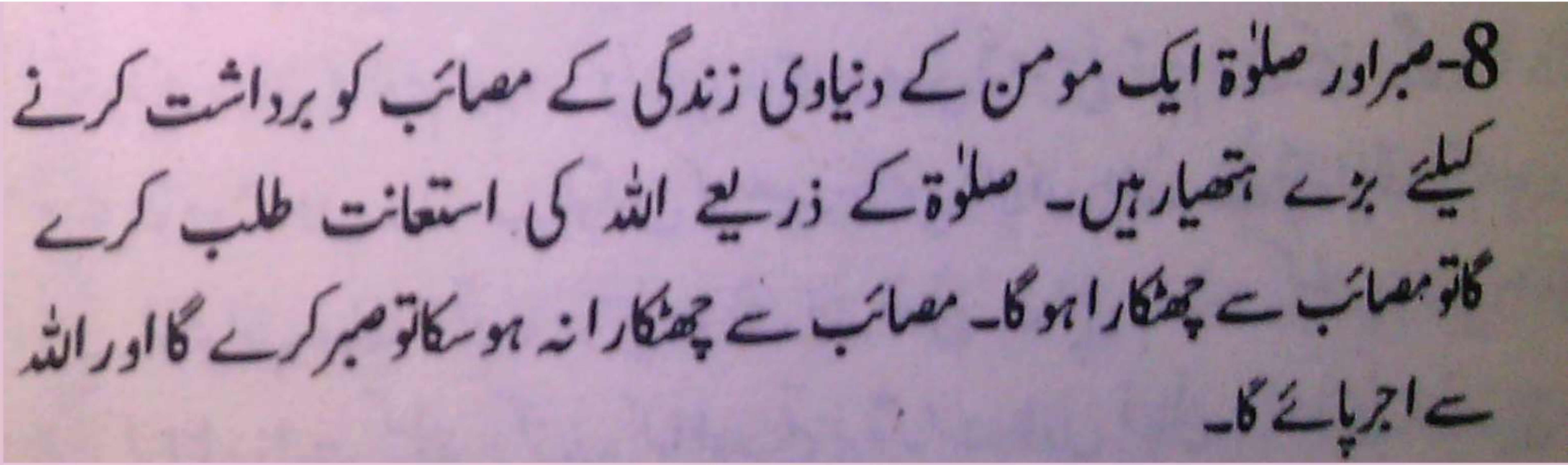

8- صبر اور صلوٰۃ ایک مومن کے دنیاوی زندگی کے مصائب کو برداشت کرنے کیلئے بڑے ہتھیار ہیں۔ صلوٰۃ کے ذریعے اللہ کی استعانت طلب کرے گا تو مصائب سے چھٹکارا ہو گا۔ مصائب سے چھٹکارا نہ ہو سکا تو صبر کرے گا اور اللہ سے اجر پائے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ع

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

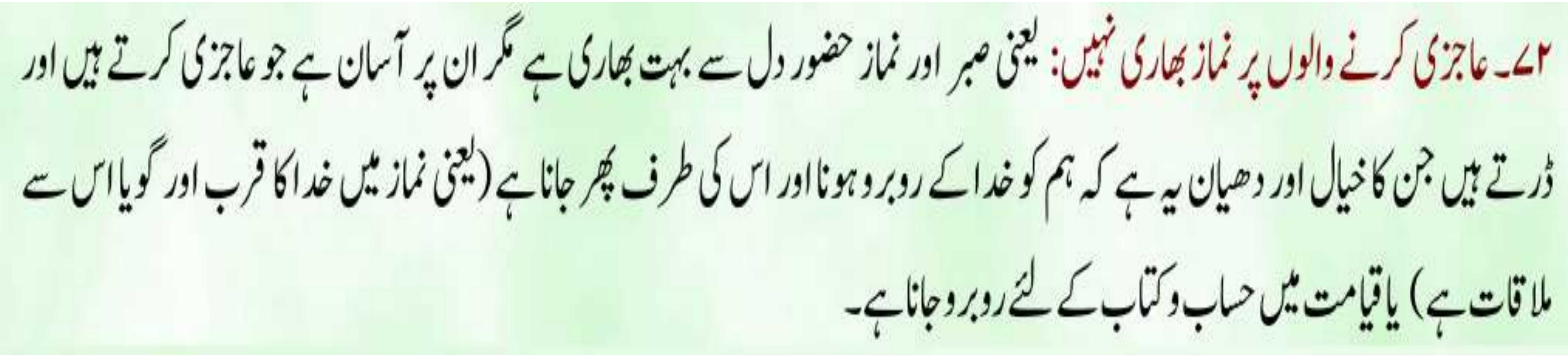

۷۲۔ **عاجزی کرنے والوں پر نماز بھاری نہیں:** یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگر ان پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب وکتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

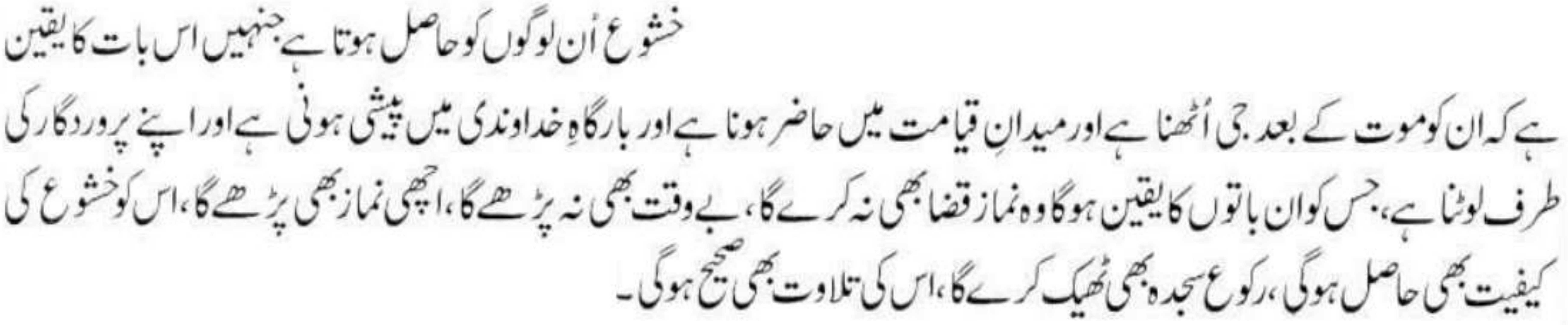

خشوع اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کو موت کے بعد جی اُٹھنا ہے اور میدانِ قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہونی ہے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، جس کو ان باتوں کا یقین ہوگا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا، بے وقت بھی نہ پڑھے گا، اچھی نماز بھی پڑھے گا، اس کو خشوع کی کیفیت بھی حاصل ہوگی، رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا، اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔

حدیث مبارکہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کے لئے نماز کا دسواں یا نواں یا آٹھواں یا ساتواں یا چھٹا یا پانچواں یا چوتھائی یا تہائی یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ کما فی الترغیب ص ۳۴۱ ج ۲)

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

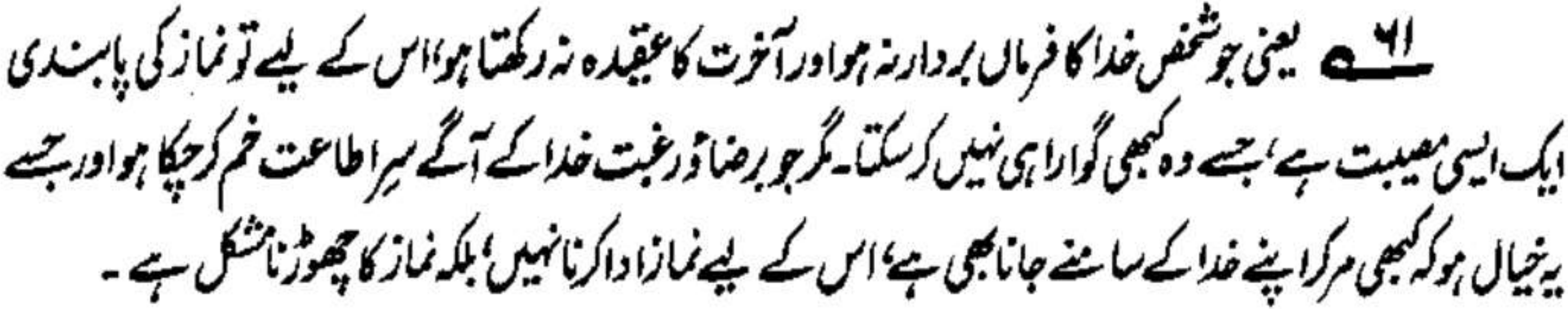

۶۱ ـــہ یعنی جو شخص خدا کا فرماں بردار نہ ہو اور آخرت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو، اس کے لیے تو نماز کی پابندی ایک ایسی مصیبت ہے، جسے وہ کبھی گوارا ہی نہیں کرسکتا۔ مگر جو برضا و رغبت خدا کے آگے سرِ اطاعت خم کرچکا ہو اور جسے یہ خیال ہو کہ کبھی مر کر اپنے خدا کے سامنے جانا بھی ہے، اس کے لیے نماز ادا کرنا نہیں، بلکہ نماز کا چھوڑنا مشکل ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَ اَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ

عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۷﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

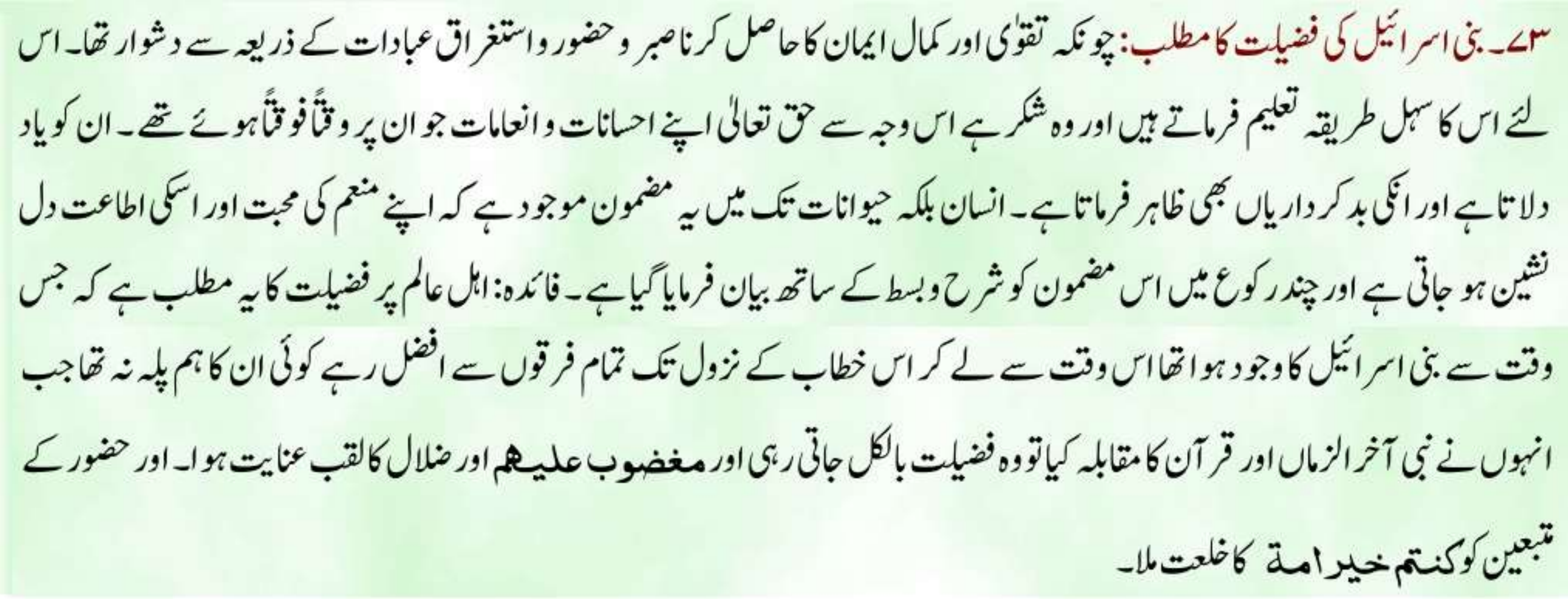

۴۷۔ **بنی اسرائیل کی فضیلت کا مطلب:** چونکہ تقویٰ اور کمال ایمان کا حاصل کرنا صبر و حضور و استغراق عبادات کے ذریعہ سے دشوار تھا۔ اس لئے اس کا سہل طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور وہ شکر ہے اس وجہ سے حق تعالیٰ اپنے احسانات و انعامات جو ان پر وقتاً فوقتاً ہوئے تھے۔ ان کو یاد دلاتا ہے اور انکی بدکرداریاں بھی ظاہر فرماتا ہے۔ انسان بلکہ حیوانات تک میں یہ مضمون موجود ہے کہ اپنے منعم کی محبت اور اسکی اطاعت دل نشین ہو جاتی ہے اور چند رکوع میں اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ فائدہ: اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا جب انہوں نے نبی آخر الزماں اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور **مغضوب علیھم** اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضور کے متبعین کو کنتم خیر امۃ کا خلعت ملا۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

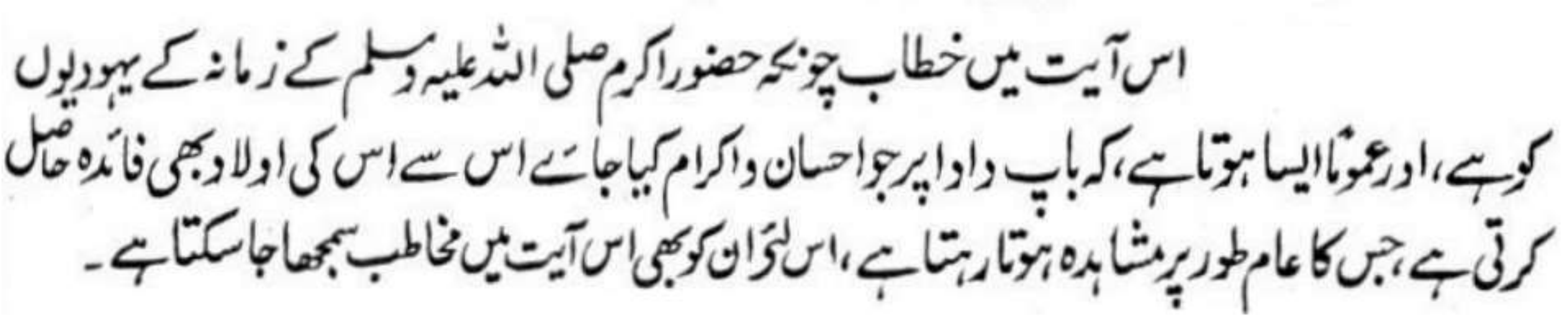

اس آیت میں خطاب چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کو ہے، اور عموماً ایسا ہوتا ہے، کہ باپ دادا پر جو احسان و اکرام کیا جائے اس سے اس کی اولاد بھی فائدہ حاصل کرتی ہے جس کا عام طور پر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اس لئے ان کو بھی اس آیت میں مخاطب سمجھا جاسکتا ہے۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

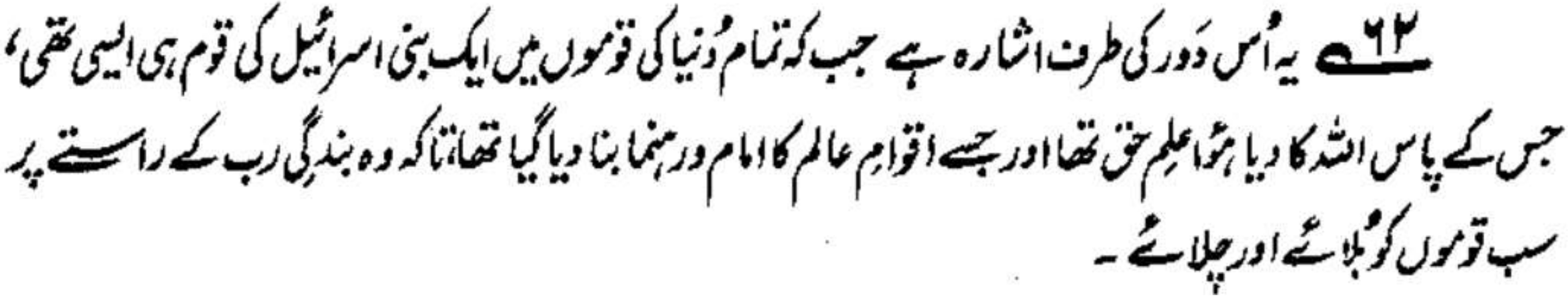

۶۲؎ یہ اُس دَور کی طرف اشارہ ہے جب کہ تمام دُنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی، جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علمِ حق تھا اور جسے اقوامِ عالم کا امام و رہنما بنا دیا گیا تھا، تاکہ وہ بندگیِ رب کے راستے پر سب قوموں کو بُلائے اور چلائے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

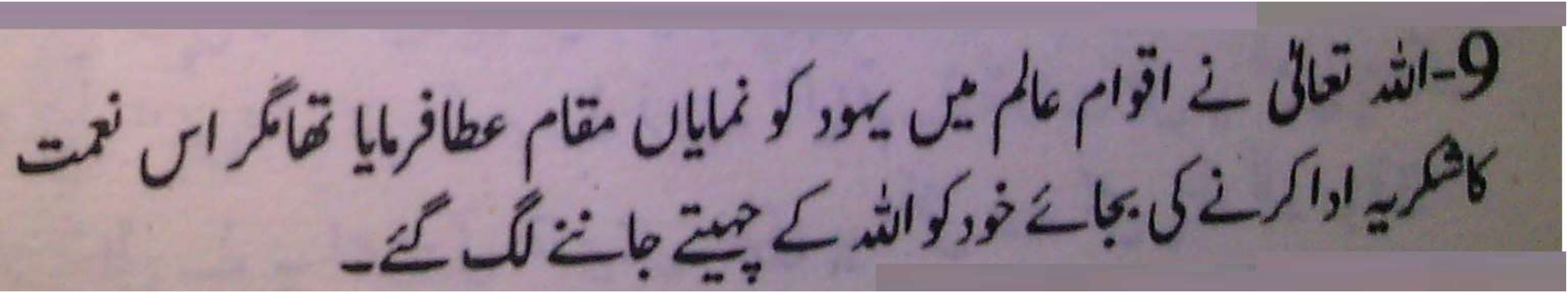

9-اللہ تعالیٰ نے اقوام عالم میں یہود کو نمایاں مقام عطا فرمایا تھا مگر اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے خود کو اللہ کے چہیتے جاننے لگ گئے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا
شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

۴۷۔ آخرت میں باپ دادا کی سفارش نہیں ہو گی: جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفیق اکثر یہی کیا کرتے ہیں کہ اول تو اس کے ادائے حق لازم میں کوشش کرتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا تو سعی سفارش سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تاوان و فدیہ دے کر چھڑاتے ہیں اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بالآخر اپنے مدد گاروں کو جمع کر کے بزور پرخاش اس کی نجات کی فکر کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اسی ترتیب کے موافق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص گو کیسا ہی مقرب خداوندی ہو مگر کسی نافرمان عدو اللہ کافر کو منجملہ چاروں صورتوں کے کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہو گا۔ ہمارے باپ دادا جو پیغمبر ہیں ہمیں بخشوا لیں گے سو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے اس سے اس شفاعت کا انکار نہیں نکلتا جس کے اہل سنت قائل ہیں اور جو دیگر آیات میں مذکور ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

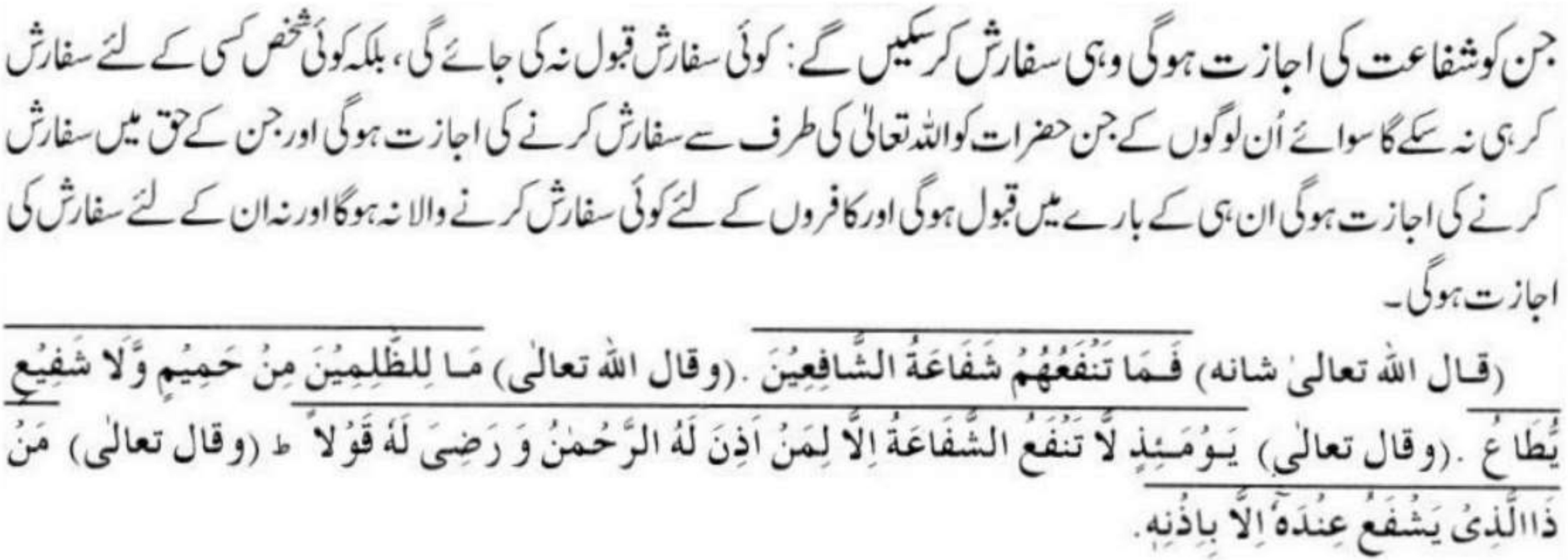

جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے: کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی، بلکہ کوئی شخص کسی کے لئے سفارش کر ہی نہ سکے گا سوائے اُن لوگوں کے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جن کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی ان ہی کے بارے میں قبول ہوگی اور کافروں کے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور نہ ان کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔

(قال اللہ تعالیٰ شانہ) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ. (وقال اللہ تعالیٰ) مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ. (وقال تعالیٰ) يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ط (وقال تعالیٰ) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

تفسیر القرآن بالقرآن

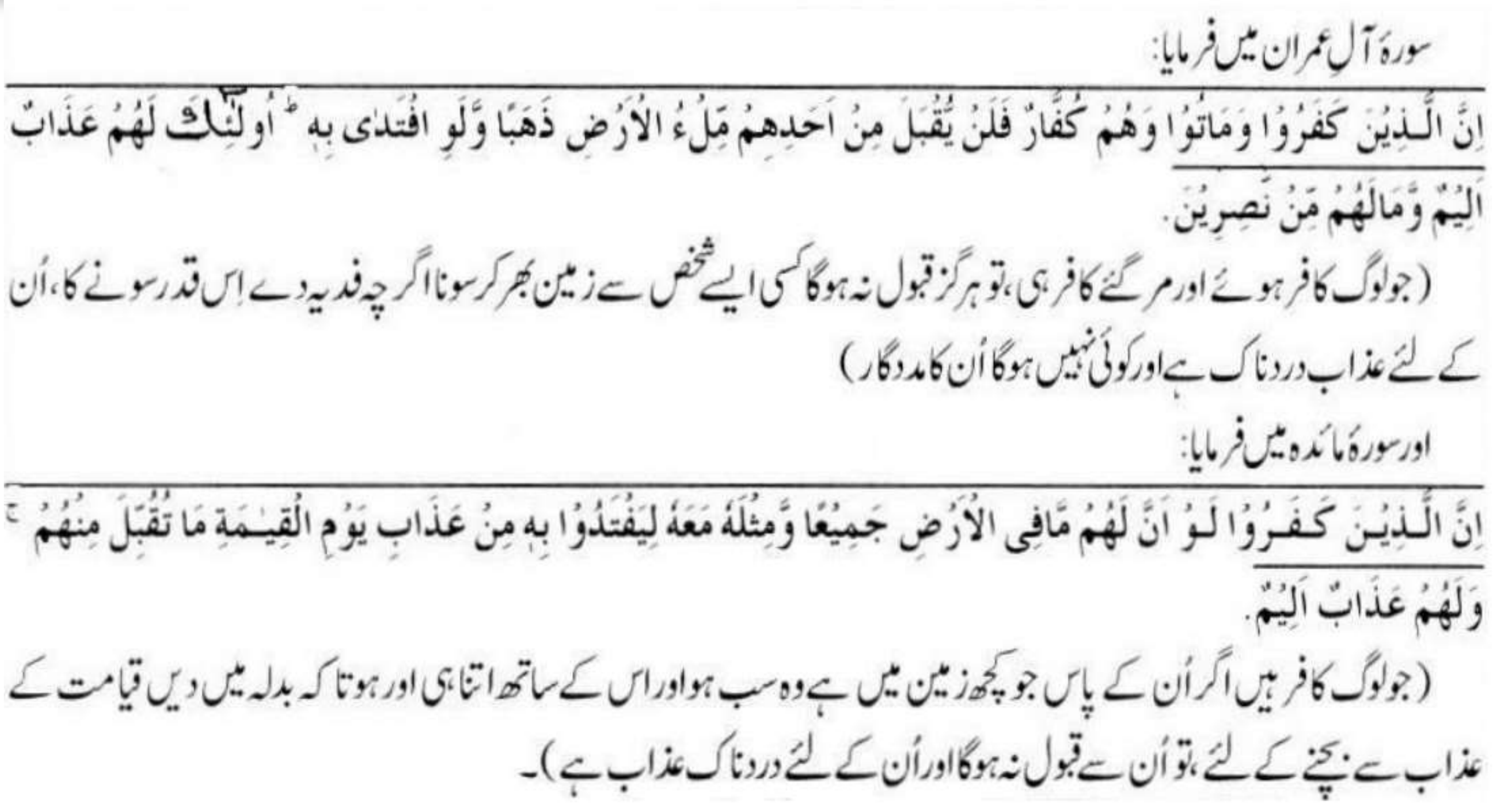

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ط اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ.

(جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی، تو ہر گز قبول نہ ہو گا کسی ایسے شخص سے زمین بھر کر سونا اگر چہ فدیہ دے اِس قدر سونے کا، اُن کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہو گا اُن کا مددگار)

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ.

(جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تا کہ بدلہ میں دیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے، تو اُن سے قبول نہ ہو گا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

مولانا مودودیؒ (تفہیم القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

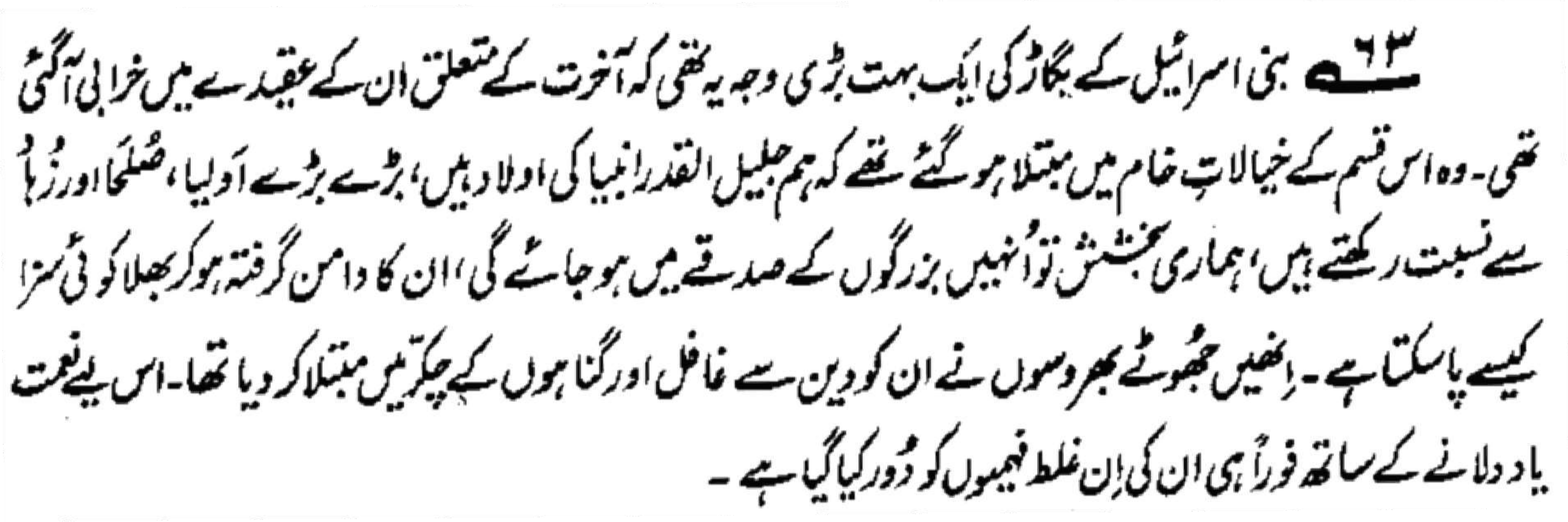

؎۶۳ بنی اسرائیل کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آگئی تھی۔ وہ اس قسم کے خیالاتِ خام میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیا کی اولاد ہیں، بڑے بڑے اولیا، صُلَحا اور زُہّاد سے نسبت رکھتے ہیں، ہماری بخشش تو اُنہیں بزرگوں کے صدقے میں ہو جائے گی، ان کا دامن گرفتہ ہو کر بھلا کوئی سزا کیسے پا سکتا ہے۔ اِنھیں جھوٹے بھروسوں نے ان کو دین سے غافل اور گناہوں کے چکّر میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس لیے نعمت یاد دلانے کے ساتھ فوراً ہی ان کی اِن غلط فہمیوں کو دُور کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

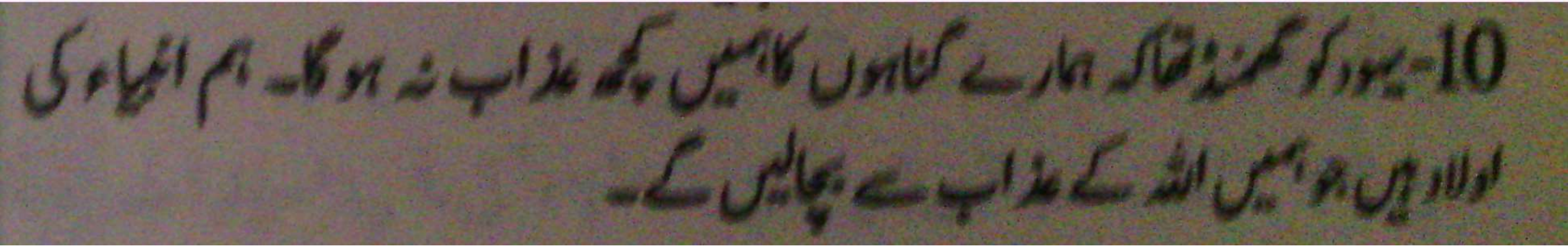

10- یہود کو گھمنڈ تھا کہ ہمارے گناہوں کا ہمیں کچھ عذاب نہ ہو گا۔ ہم انبیاء کی اولاد ہیں جو ہمیں اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

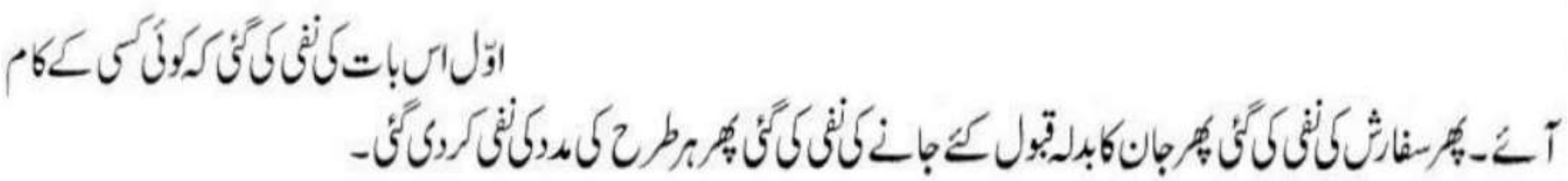

اوّل اس بات کی نفی کی گئی کہ کوئی کسی کے کام
آئے۔ پھر سفارش کی نفی کی گئی پھر جان کا بدلہ قبول کئے جانے کی نفی کی گئی پھر ہر طرح کی مدد کی نفی کر دی گئی۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَ اِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ
بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۴۹

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

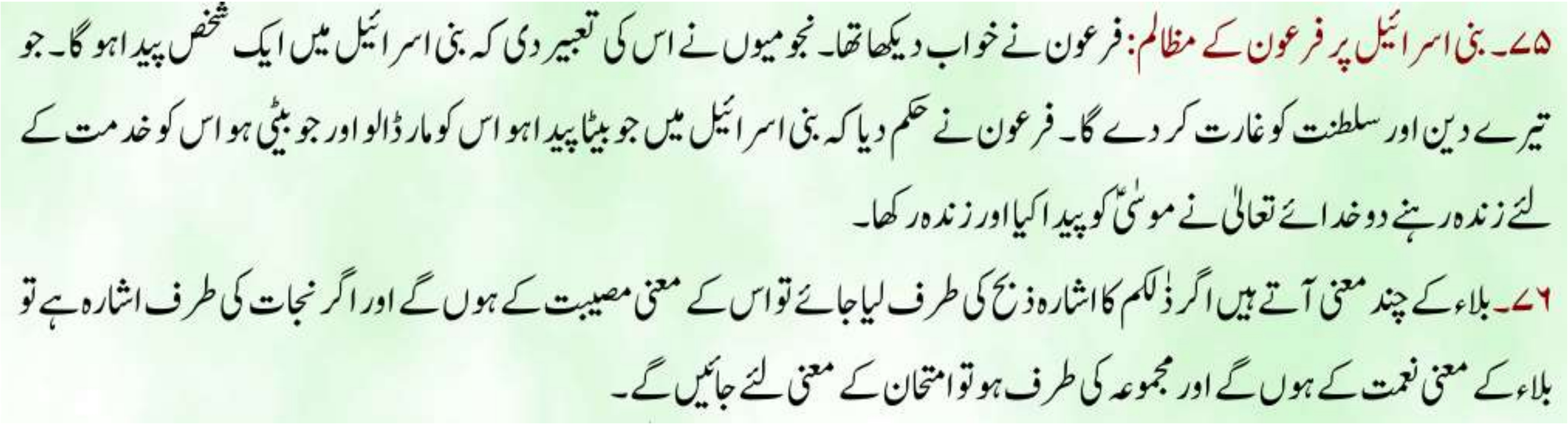

۷۵۔ **بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم:** فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا۔ جو تیرے دین اور سلطنت کو غارت کر دے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو بیٹی ہو اس کو خدمت کے لئے زندہ رہنے دو خدائے تعالیٰ نے موسیٰؑ کو پیدا کیا اور زندہ رکھا۔

۷۶۔ بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلکم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۴۰) فرعون مصر کا بادشاہ تھا جہاں بنی اسرائیل بڑی تعداد میں آباد تھے، اور فرعون کی غلامی میں دن گذار رہے تھے۔ فرعون کے سامنے کسی نجومی نے یہ پیشینگوئی کردی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس کی بادشاہی کا خاتمہ کردے گا۔ یہ سن کر اس نے یہ حکم دے دیا کہ اسرائیلیوں میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اسے قتل کردیا جائے، البتہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے۔ اس طرح بہت سے نوزائیدہ بچے قتل کئے گئے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کا مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں خود قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ :

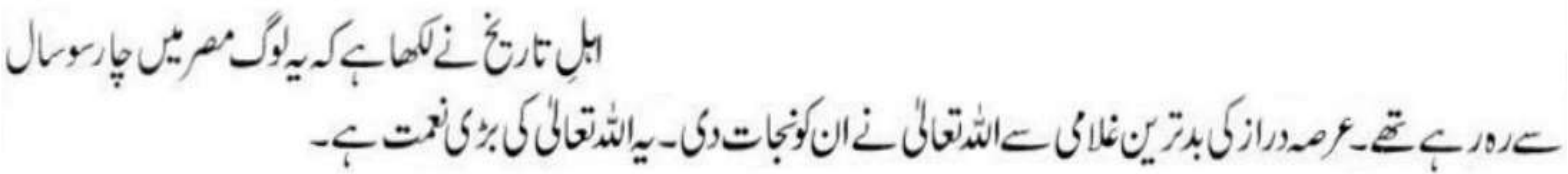

اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے۔ عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

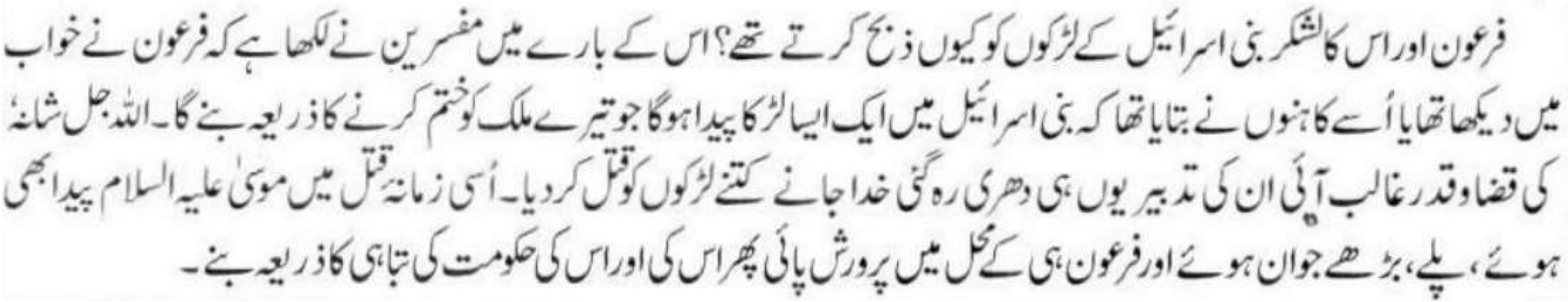

فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو کیوں ذبح کرتے تھے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا یا اُسے کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ جل شانہٗ کی قضا و قدر غالب آئی ان کی تدبیر یوں ہی دھری رہ گئی خدا جانے کتنے لڑکوں کو قتل کردیا۔ اُسی زمانۂ قتل میں موسیٰ علیہ السلام پیدا بھی ہوئے، پلے، بڑھے جوان ہوئے اور فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی پھر اس کی اور اس کی حکومت کی تباہی کا ذریعہ بنے۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ (تیسیر القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

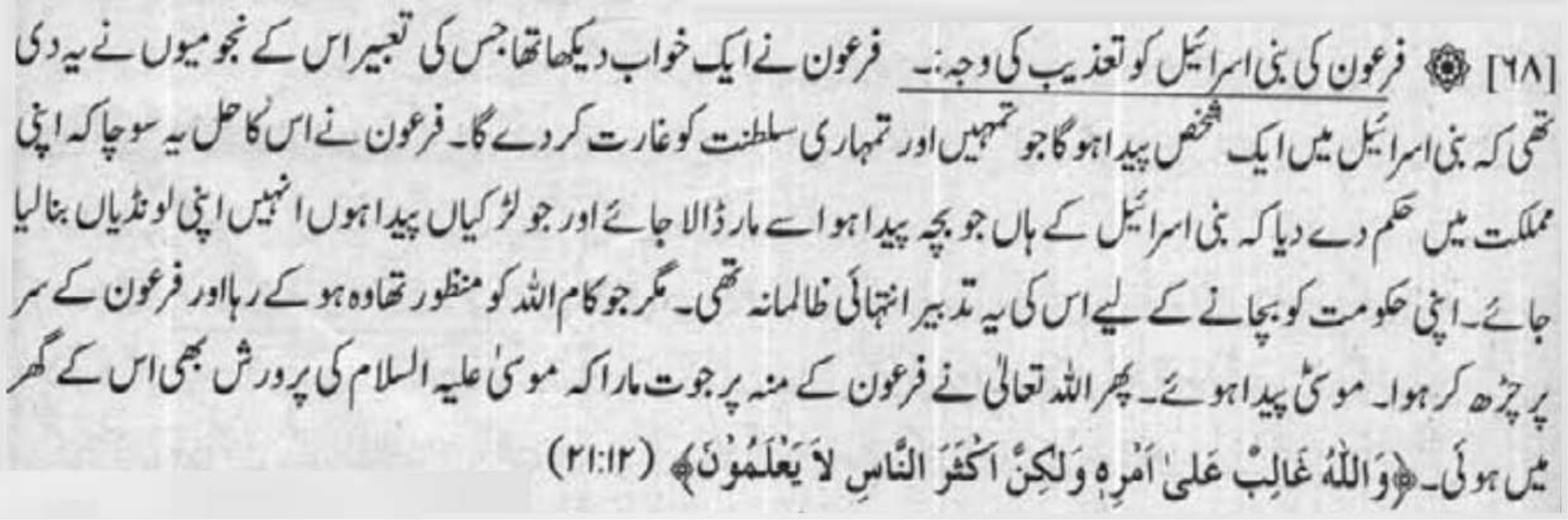

[۶۸] ۞ فرعون کی بنی اسرائیل کو تعذیب کی وجہ:۔ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر اس کے نجومیوں نے یہ دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہو گا جو تمہیں اور تمہاری سلطنت کو غارت کر دے گا۔ فرعون نے اس کا حل یہ سوچا کہ اپنی مملکت میں حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بچہ پیدا ہو اسے مار ڈالا جائے اور جو لڑکیاں پیدا ہوں انہیں اپنی لونڈیاں بنا لیا جائے۔ اپنی حکومت کو بچانے کے لیے اس کی یہ تدبیر انتہائی ظالمانہ تھی۔ مگر جو کام اللہ کو منظور تھا وہ ہو کے رہا اور فرعون کے سر پر چڑھ کر ہوا۔ موسیٰ پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کے منہ پر جوت مارا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش بھی اس کے گھر میں ہوئی۔ ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۲۱:۱۲)

اللہ تبارک تعالٰی فرماتے ہیں

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝٥٠

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ :

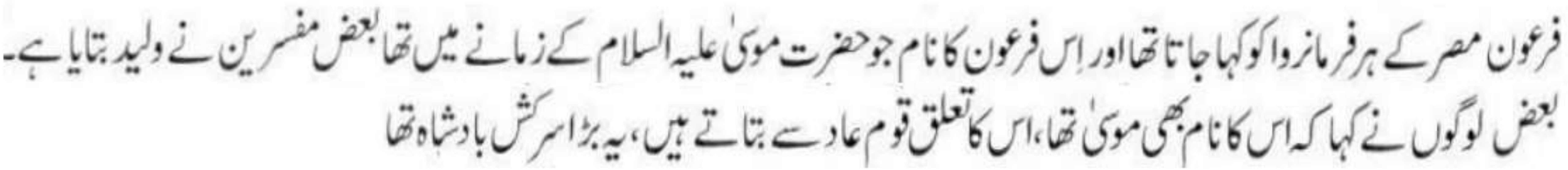

فرعون مصر کے ہر فرمانروا کو کہا جاتا تھا اور اِس فرعون کا نام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا بعض مفسرین نے ولید بتایا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی موسیٰ تھا، اس کا تعلق قوم عاد سے بتاتے ہیں، یہ بڑا سرکش بادشاہ تھا

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

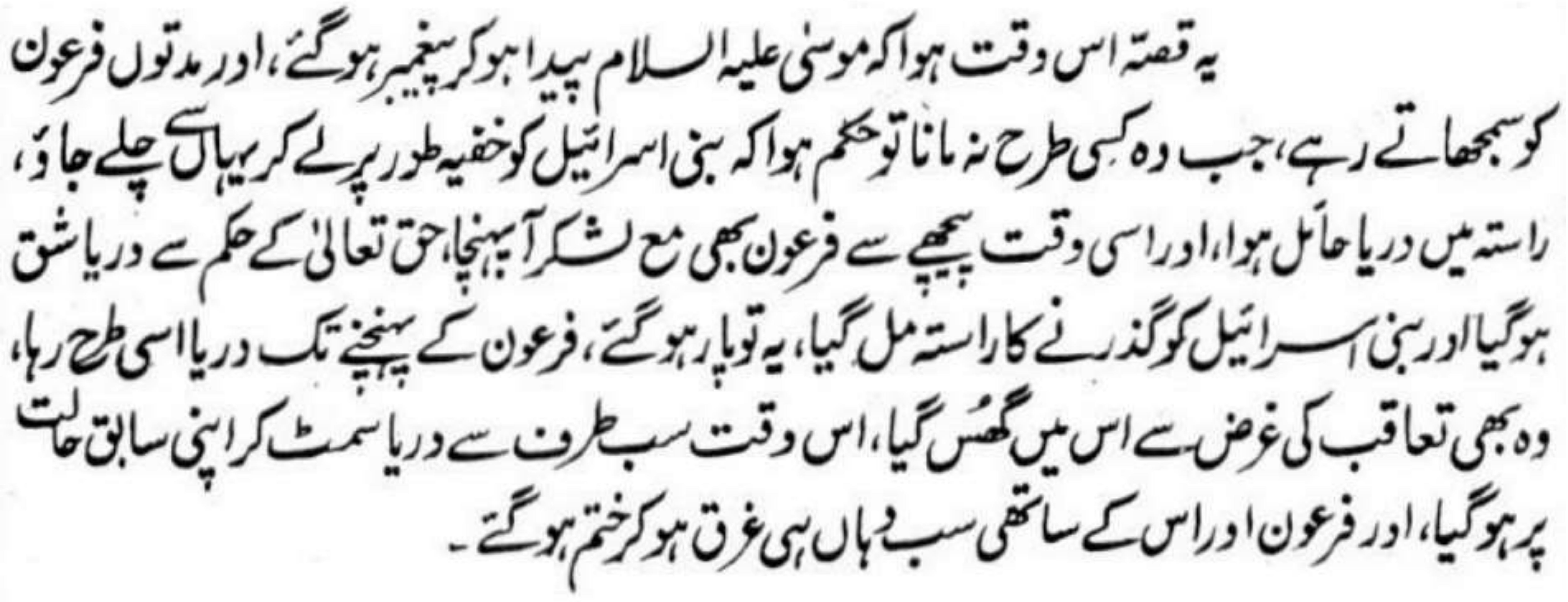

یہ قصہ اس وقت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر پیغمبر ہو گئے، اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے، جب وہ کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو خفیہ طور پر لے کر یہاں سے چلے جاؤ، راستہ میں دریا حائل ہوا، اور اسی وقت پیچھے سے فرعون بھی مع لشکر آ پہنچا، حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو گذرنے کا راستہ مل گیا، یہ تو پار ہو گئے، فرعون کے پہنچنے تک دریا اسی طرح رہا، وہ بھی تعاقب کی غرض سے اس میں گھس گیا، اس وقت سب طرف سے دریا سمٹ کر اپنی سابق حالت پر ہو گیا، اور فرعون اور اس کے ساتھی سب وہاں ہی غرق ہو کر ختم ہو گئے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

یہ ایک مختلف فیہ بات ہے کہ بنی اسرائیل نے مصر سے جزیرہ نمائے سینا آنے کے لیے کس سمندر یا دریا کو عبور کیا تھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ دریائے نیل کو عبور کر کے گئے تھے' لیکن یہ بات اس اعتبار سے غلط ہے کہ دریائے نیل تو مصر کے اندر بہتا ہے' وہ کبھی بھی مصر کی حد نہیں بنا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو عبور کیا تھا۔ بحیرۂ قلزم (Red Sea) اوپر جا کر دو کھاڑیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے' مشرق کی طرف خلیج عقبہ اور مغرب کی طرف خلیج سویز ہے اور ان کے درمیان جزیرہ نمائے سینا (Sinai Peninsula) ہے۔ یہ اسی طرح کی تکون ہے جیسے جزیرہ نمائے ہند (Indian Peninsula) ہے۔ خلیج سویز اور بحیرۂ روم کے درمیان کئی بڑی بڑی جھیلیں تھیں' جن کو باہم جوڑ جوڑ کر' درمیان میں حائل خشکی کو کاٹ کر نہر سویز بنائی گئی ہے' جو اَب ایک مسلسل رابطہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسٰیؑ اور بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو عبور کیا تھا۔ مجھے خود بھی اسی رائے سے اتفاق ہے۔ اس لیے کہ کوہِ طور اس جزیرہ نمائے سینا کی نوک (tip) پر واقع ہے' جہاں حضرت موسٰی علیہ السلام کو چالیس دن رات کے لیے بلایا گیا اور پھر انہیں تورات دی گئی۔ بنی اسرائیل نے خلیج سویز کو اس طرح عبور کیا کہ حضرت موسٰیؑ کے عصا کی ایک ضرب سے سمندر پھٹ گیا۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾﴾ (الشُّعراء) ''پس سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا ہر حصہ جیسے بڑا پہاڑ''۔ سمندر کا پانی دونوں طرف پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل اس کے درمیان میں سے نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے جب فرعون اپنا لشکر لے کر آیا تو اُس نے سوچا کہ ہم بھی ایسے ہی نکل جائیں گے' لیکن وہ غرق ہو گئے۔ اس لیے کہ دونوں طرف کا پانی آپس میں مل گیا۔ یہ ایک معجزانہ کیفیت تھی اور یہ بات فطرت (nature) کے قوانین کے مطابق نہیں تھی۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰٓى اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ
مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ
لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ :

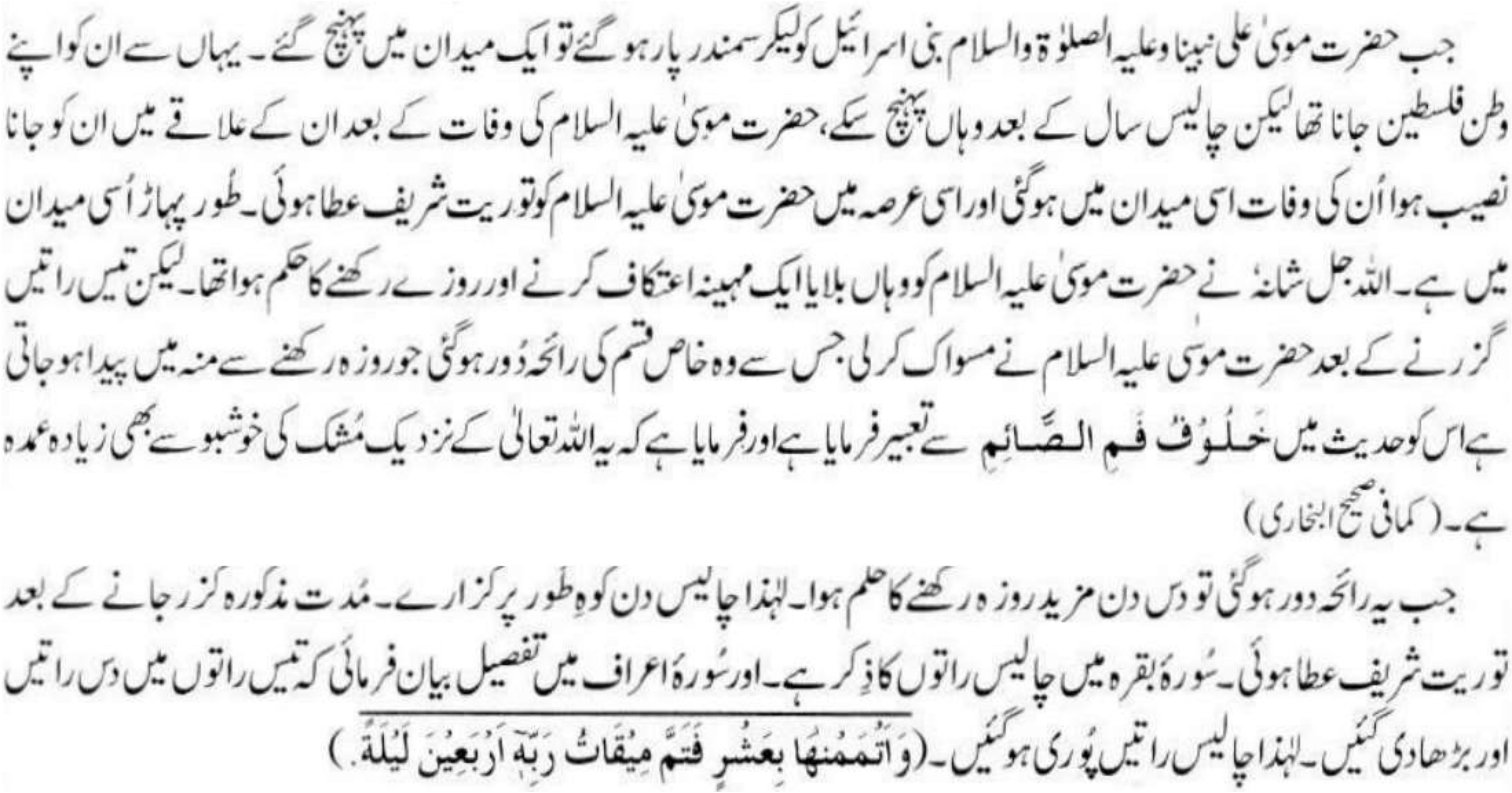

جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کولیکر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن چالیس سال کے بعد وہاں پہنچ سکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا اُن کی وفات اسی میدان میں ہوگئی اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی۔ طُور پہاڑ اُسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی رائحہ دُور ہوگئی جو روزہ رکھنے سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِم سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کمافی صحیح البخاری)

جب یہ رائحہ دور ہوگئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہٰذا چالیس دن کوہِ طور پر گزارے۔ مُدت مذکورہ گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا ہوئی۔ سُورۂ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذِکر ہے۔ اور سُورۂ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھادی گئیں۔ لہٰذا چالیس راتیں پُوری ہوگئیں۔ (وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً.)

مفتی تقی عثمانیؒ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہِ طور پر آ کر چالیس دن اِعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سامری جادوگر نے ایک گائے کا بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اسے اپنا معبود قرار دینے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا کر واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ اس توبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس شرک میں ملوّث نہیں ہوئے تھے وہ ملوّث ہونے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی، اور اس طرح ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ واقعات اِن شاء اللہ تفصیل سے سورۂ اَعراف اور سورۂ طٰہٰ میں آئیں گے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

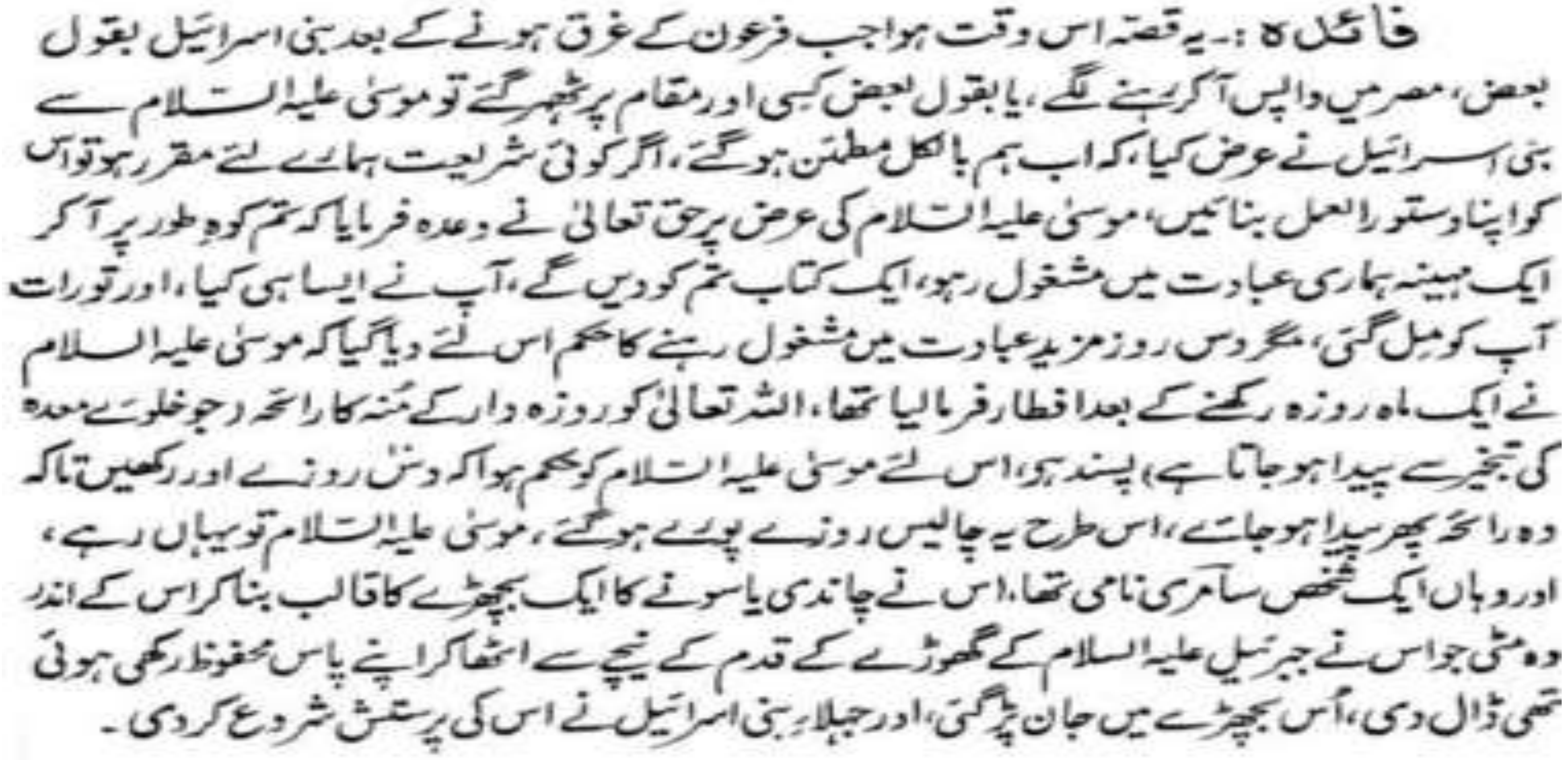

فائدہ :- یہ قصہ اس وقت ہوا جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل بقول بعض، مصر میں واپس آکر رہنے لگے، یا بقول بعض کہیں اور مقام پر ٹھہر گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے عرض کیا، کہ اب ہم بالکل مطمئن ہو گئے، اگر کوئی شریعت ہمارے لئے مقرر ہو تو اس کو اپنا دستور العمل بنائیں، موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم کوہِ طور پر آکر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو، ایک کتاب تم کو دیں گے، آپ نے ایسا ہی کیا، اور تورات آپ کو مل گئی، مگر دس روز مزید عبادت میں مشغول رہنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک ماہ روزہ رکھنے کے بعد افطار فرما لیا تھا، اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کا رائحہ (جو خلوئے معدہ کی تبخیر سے پیدا ہو جاتا ہے) پسند ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ دس روزے اور رکھیں تا کہ وہ رائحہ پھر پیدا ہو جائے، اس طرح یہ چالیس روزے پورے ہو گئے، موسیٰ علیہ السلام تو یہاں رہے، اور وہاں ایک شخص سامری نامی تھا، اس نے چاندی یا سونے کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس کے اندر وہ مٹی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ڈال دی، اُس بچھڑے میں جان پڑ گئی، اور جہلاء بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

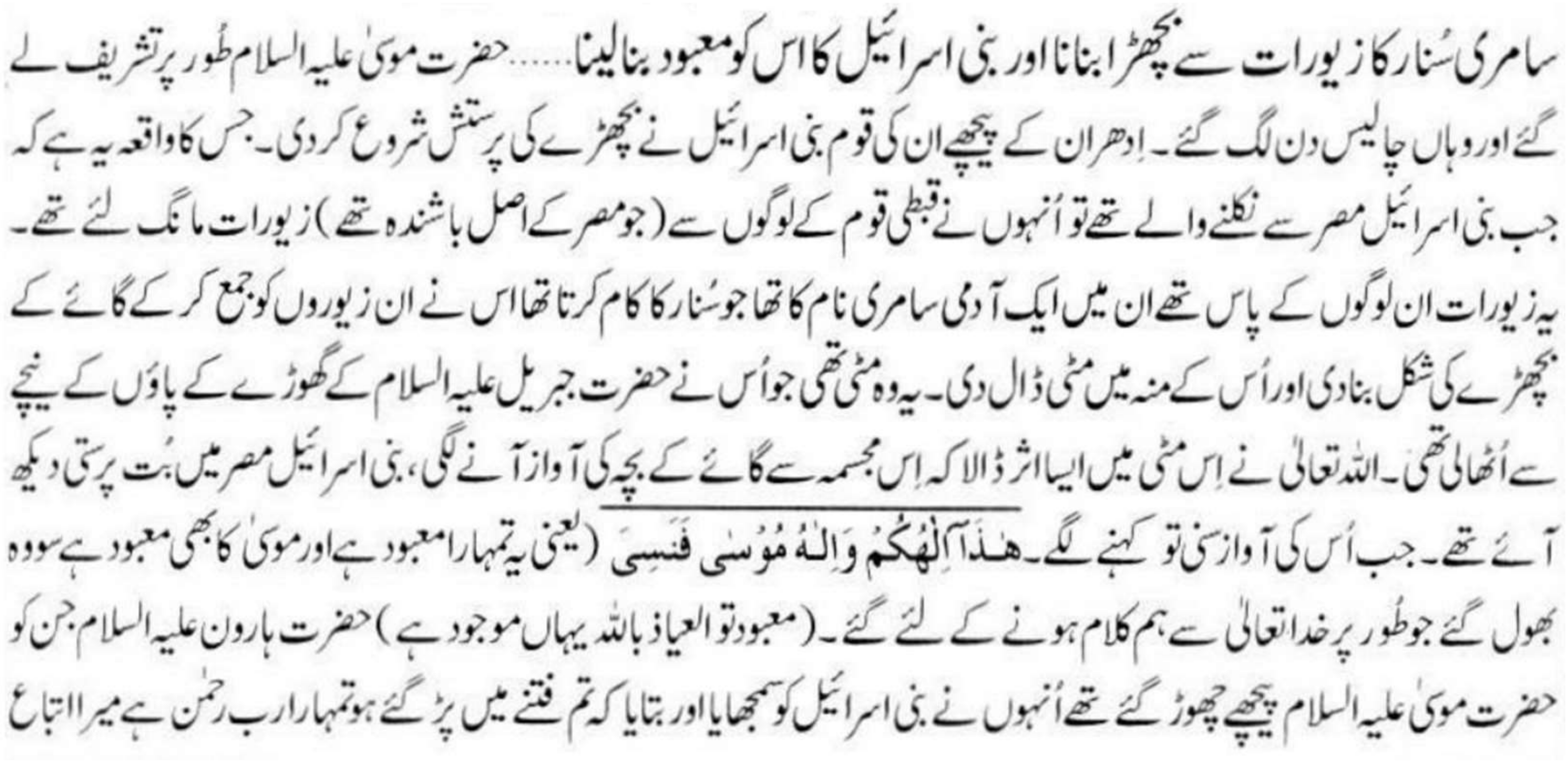

سامری سُنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا...... حضرت موسیٰ علیہ السلام طُور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ اِدھر ان کے پیچھے ان کی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے تو اُنہوں نے قبطی قوم کے لوگوں سے (جو مصر کے اصل باشندہ تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدمی سامری نام کا تھا جو سُنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنا دی اور اُس کے منہ میں مٹی ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اُٹھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اِس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اِس مجسمہ سے گائے کے بچہ کی آواز آنے لگی، بنی اسرائیل مصر میں بُت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اُس کی آواز سنی تو کہنے لگے۔ هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طُور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے۔ (معبود تو العیاذ باللہ یہاں موجود ہے) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے اُنہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمٰن ہے میرا اتباع

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

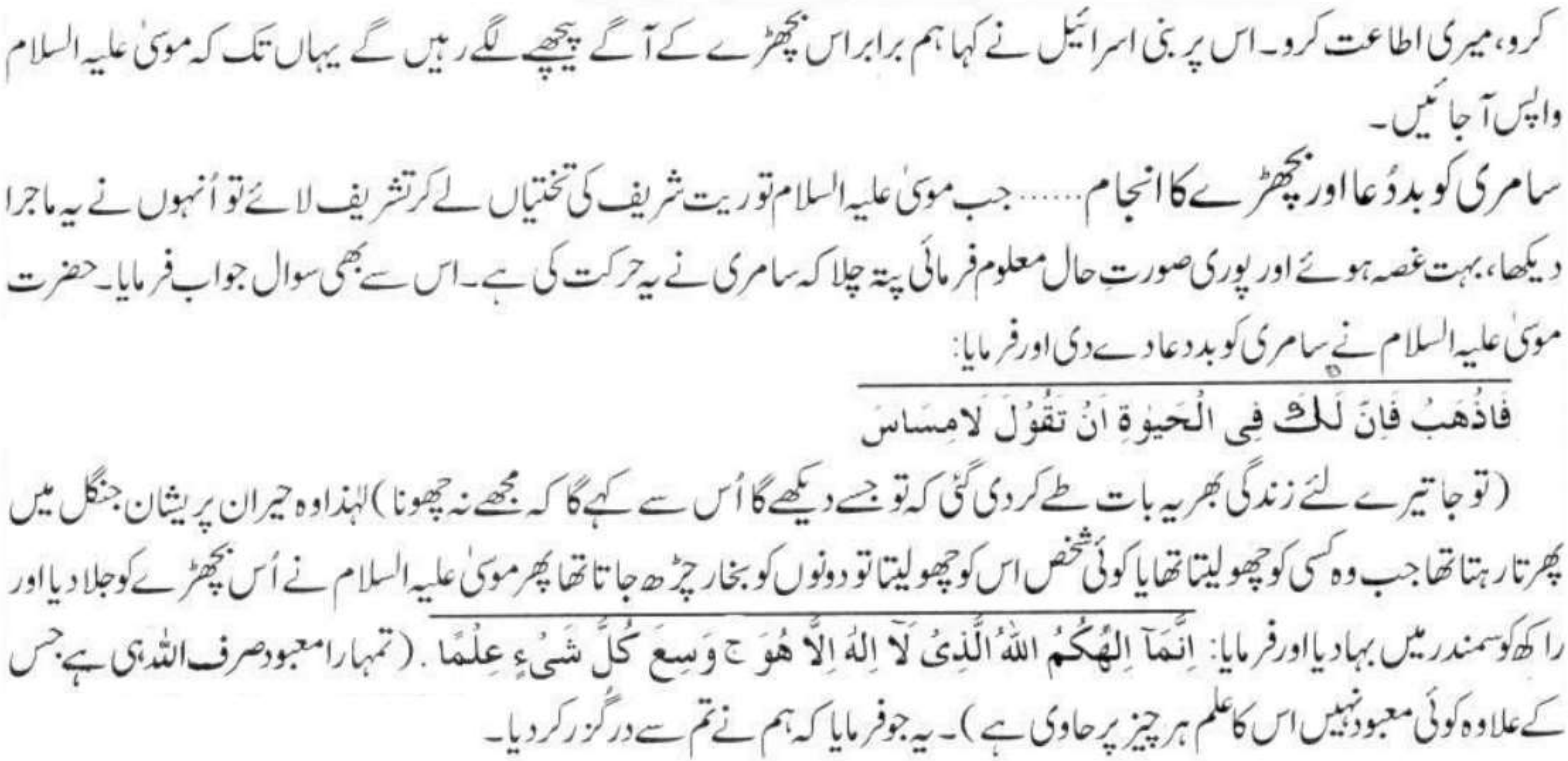

کرو، میری اطاعت کرو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا ہم برابر اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آ جائیں۔

سامری کو بدُدعا اور بچھڑے کا انجام...... جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو اُنہوں نے یہ ماجرا دیکھا، بہت غصہ ہوئے اور پوری صورتِ حال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دے دی اور فرمایا:

فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ

(تو جا تیرے لئے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اُس سے کہے گا کہ مجھے نہ چھونا) لہٰذا وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا کوئی شخص اس کو چھو لیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اُس بچھڑے کو جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا اور فرمایا: اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا. (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے)۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تم سے درگزر کر دیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

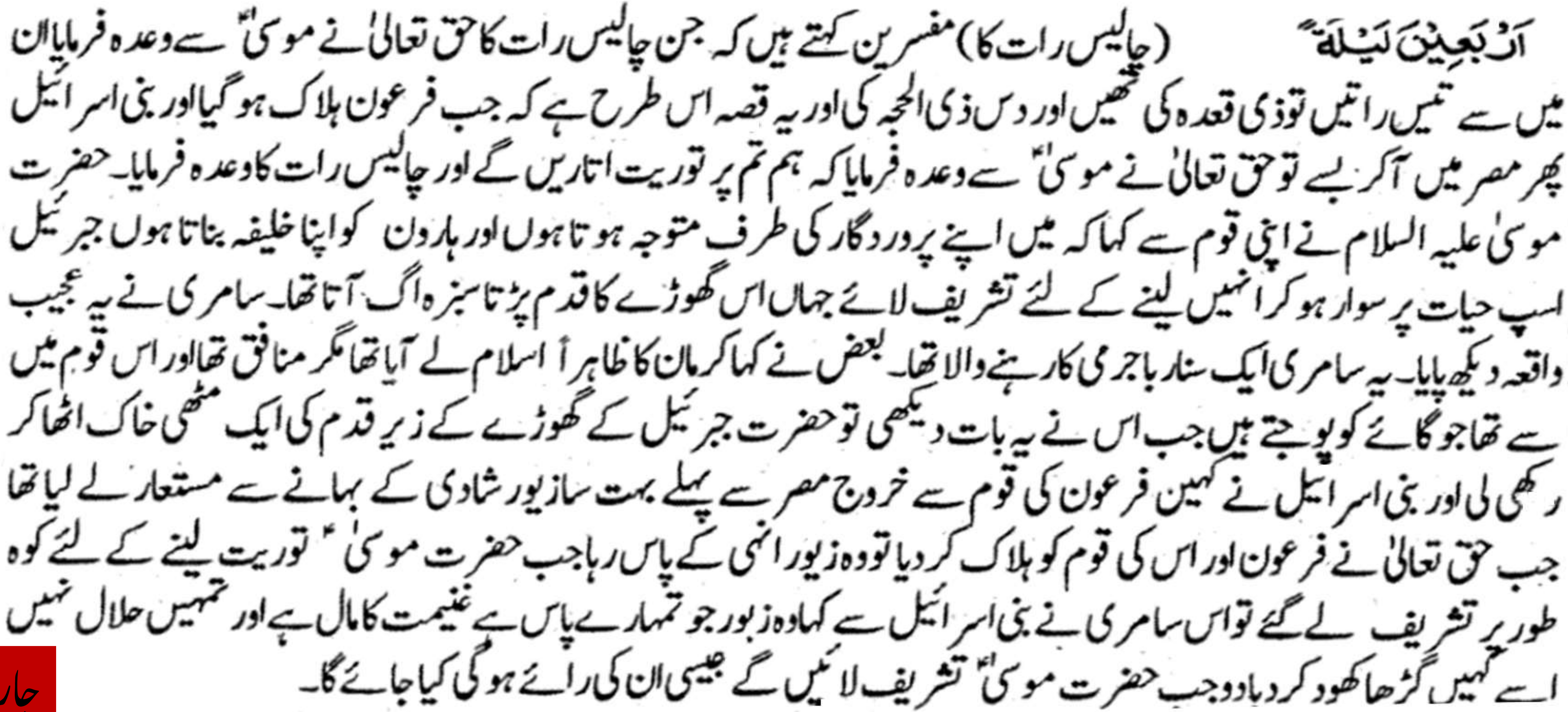

اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً (چالیس رات کا) مفسرین کہتے ہیں کہ جن چالیس رات کا حق تعالیٰ نے موسیٰؑ سے وعدہ فرمایا ان میں سے تیس راتیں تو ذی قعدہ کی تھیں اور دس ذی الحجہ کی اور یہ قصہ اس طرح ہے کہ جب فرعون ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل پھر مصر میں آکر بسے تو حق تعالیٰ نے موسیٰؑ سے وعدہ فرمایا کہ ہم تم پر توریت اتاریں گے اور چالیس رات کا وعدہ فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور ہارون کو اپنا خلیفہ بناتا ہوں جبرئیل اسپ حیات پر سوار ہو کر انہیں لینے کے لئے تشریف لائے جہاں اس گھوڑے کا قدم پڑتا سبزہ اگ آتا تھا۔ سامری نے یہ عجیب واقعہ دیکھ پایا۔ یہ سامری ایک سنار باجرمی کا رہنے والا تھا۔ بعض نے کہا کرمان کا ظاہراً اسلام لے آیا تھا مگر منافق تھا اور اس قوم میں سے تھا جو گائے کو پوجتے ہیں جب اس نے یہ بات دیکھی تو حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے زیر قدم کی ایک مٹھی خاک اٹھا کر رکھی لی اور بنی اسرائیل نے کہین فرعون کی قوم سے خروج مصر سے پہلے بہت سازیور شادی کے بہانے سے مستعار لے لیا تھا جب حق تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کر دیا تو وہ زیور انہی کے پاس رہا جب حضرت موسیٰ توریت لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو اس سامری نے بنی اسرائیل سے کہا وہ زیور جو تمہارے پاس ہے غنیمت کا مال ہے اور تمہیں حلال نہیں اسے کہیں گڑھا کھود کر دبا دو جب حضرت موسیٰؑ تشریف لائیں گے جیسی ان کی رائے ہو گی کیا جائے گا۔

جاری ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

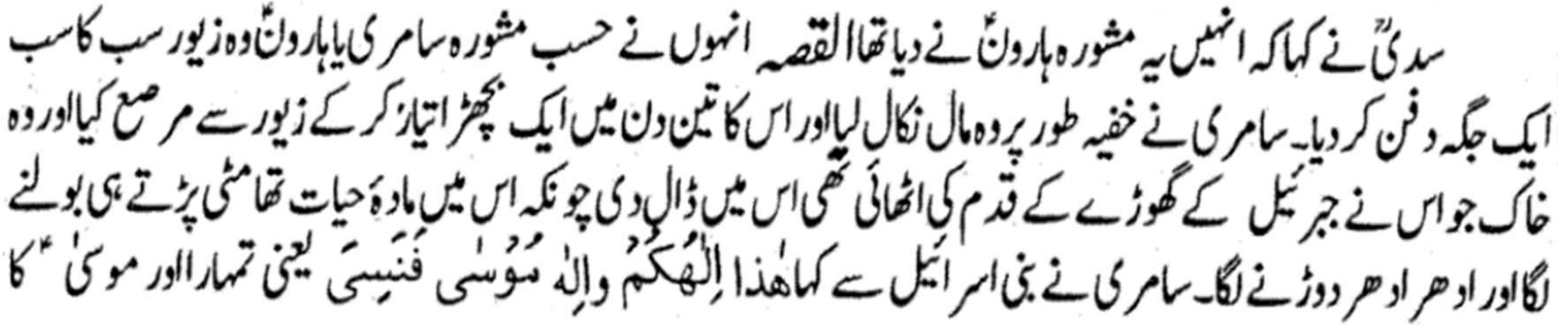

سدیؒ نے کہا کہ انہیں یہ مشورہ ہارونؑ نے دیا تھا القصہ انہوں نے حسب مشورہ سامری یا ہارونؑ وہ زیور سب کا سب ایک جگہ دفن کر دیا۔ سامری نے خفیہ طور پر وہ مال نکال لیا اور اس کا تین دن میں ایک بچھڑا تیار کر کے زیور سے مرصع کیا اور وہ خاک جو اس نے جبرئیل کے گھوڑے کے قدم کی اٹھائی تھی اس میں ڈال دی چونکہ اس میں مادۂ حیات تھا مٹی پڑتے ہی بولنے لگا اور ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا هٰذَا اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ یعنی تمہارا اور موسیٰؑ کا

جاری ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (تفسیر مظہری میں) فرماتے ہیں کہ:

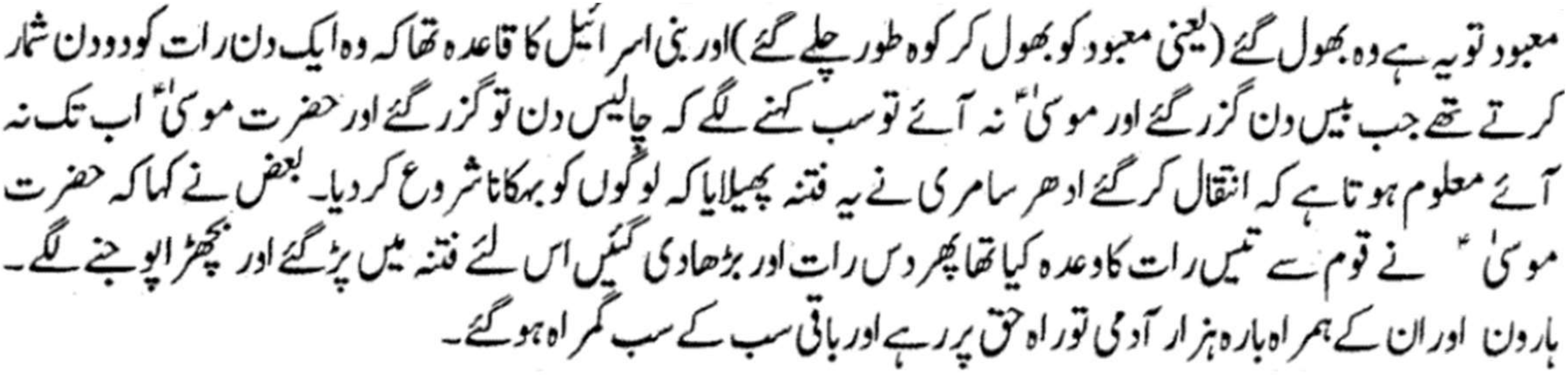

معبود تو یہ ہے وہ بھول گئے (یعنی معبود کو بھول کر کوہ طور چلے گئے) اور بنی اسرائیل کا قاعدہ تھا کہ وہ ایک دن رات کو دو دن شمار کرتے تھے جب بیس دن گزر گئے اور موسیٰؑ نہ آئے تو سب کہنے لگے کہ چالیس دن تو گزر گئے اور حضرت موسیٰؑ اب تک نہ آئے معلوم ہوتا ہے کہ انتقال کر گئے ادھر سامری نے یہ فتنہ پھیلایا کہ لوگوں کو بہکانا شروع کر دیا۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ نے قوم سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا پھر دس رات اور بڑھا دی گئیں اس لئے فتنہ میں پڑ گئے اور بچھڑا پوجنے لگے۔ ہارون اور ان کے ہمراہ بارہ ہزار آدمی تو راہ حق پر رہے اور باقی سب کے سب گمراہ ہو گئے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۵۳)

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

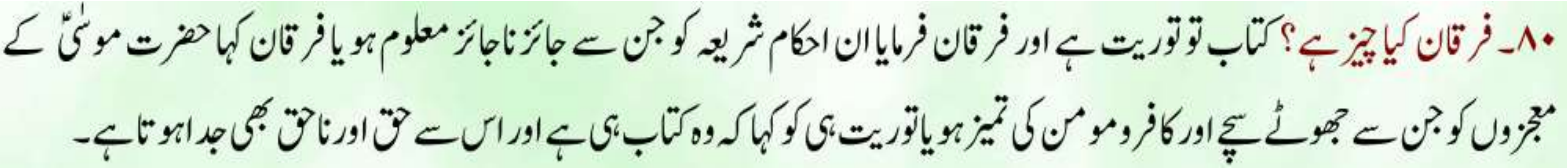

۸۰۔ **فرقان کیا چیز ہے؟** کتاب تو توریت ہے اور فرقان فرمایا ان احکام شریعہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہو یا فرقان کہا حضرت موسیٰؑ کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر و مومن کی تمیز ہو یا توریت ہی کو کہا کہ وہ کتاب ہی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

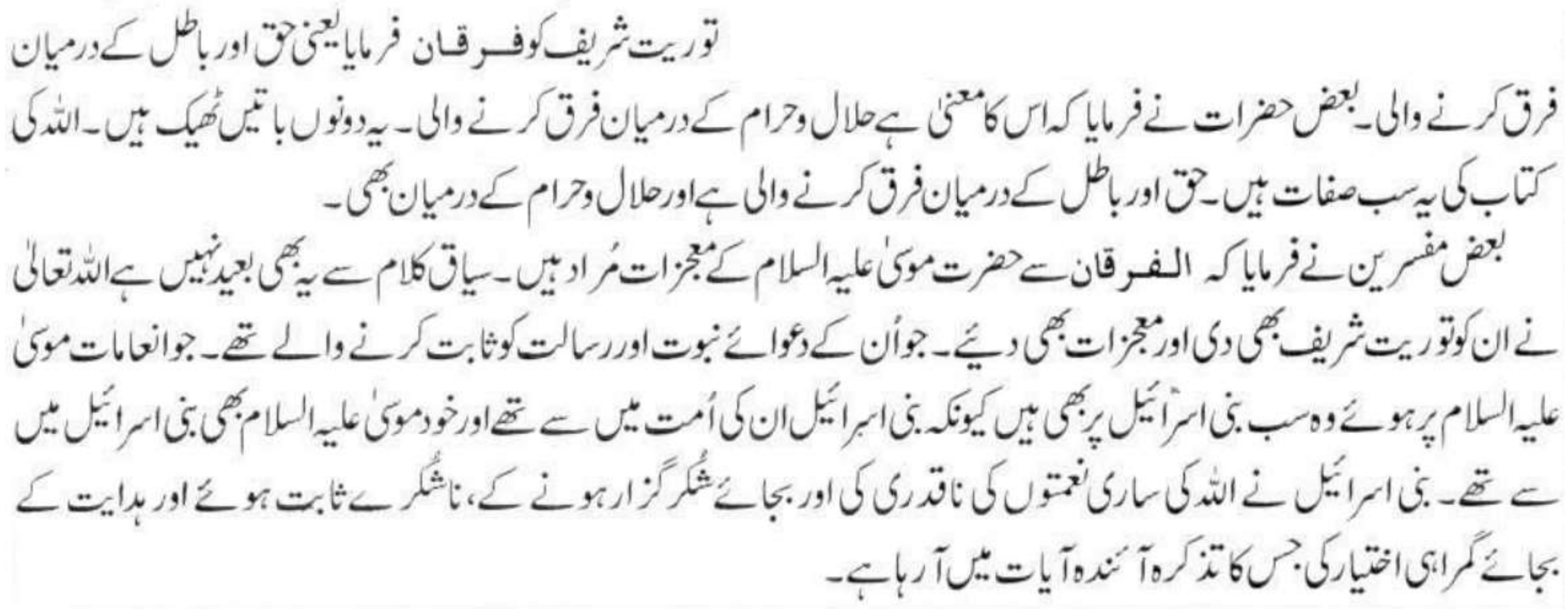

توریت شریف کو فرقان فرمایا یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ اللہ کی کتاب کی یہ سب صفات ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور حلال وحرام کے درمیان بھی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مُراد ہیں۔ سیاق کلام سے یہ بھی بعید نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت شریف بھی دی اور معجزات بھی دیئے۔ جو اُن کے دعوائے نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے والے تھے۔ جو انعامات موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے وہ سب بنی اسرائیل پر بھی ہیں کیونکہ بنی اسرائیل ان کی اُمت میں سے تھے اور خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی ساری نعمتوں کی ناقدری کی اور بجائے شُکر گزار ہونے کے، ناشکرے ثابت ہوئے اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (بیان القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

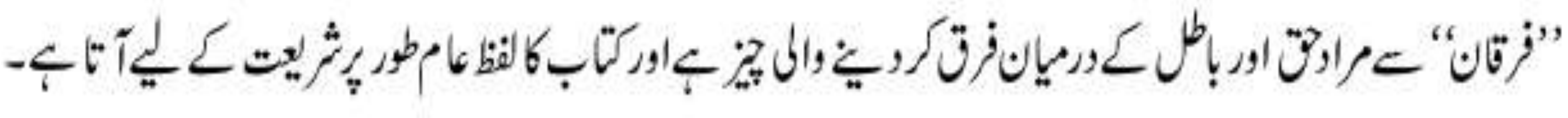

’’فرقان‘‘ سے مراد حق اور باطل کے درمیان فرق کر دینے والی چیز ہے اور کتاب کا لفظ عام طور پر شریعت کے لیے آتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ :

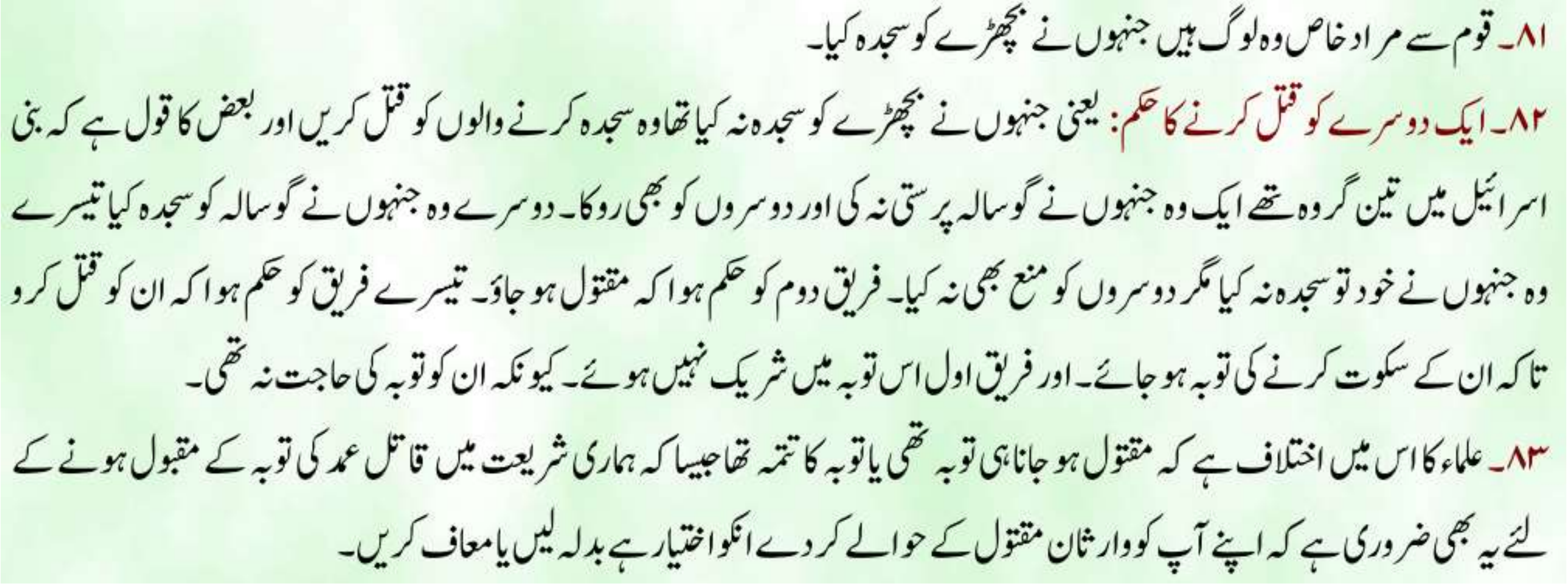

۸۱۔ قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا۔

۸۲۔ **ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم:** یعنی جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں اور بعض کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں تین گروہ تھے ایک وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی اور دوسروں کو بھی روکا۔ دوسرے وہ جنہوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے خود تو سجدہ نہ کیا مگر دوسروں کو منع بھی نہ کیا۔ فریق دوم کو حکم ہوا کہ مقتول ہو جاؤ۔ تیسرے فریق کو حکم ہوا کہ ان کو قتل کرو تاکہ ان کے سکوت کرنے کی توبہ ہو جائے۔ اور فریق اول اس توبہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کو توبہ کی حاجت نہ تھی۔

۸۳۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتول ہو جانا ہی توبہ تھی یا توبہ کا تتمہ تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو وارثان مقتول کے حوالے کر دے انکو اختیار ہے بدلہ لیں یا معاف کریں۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

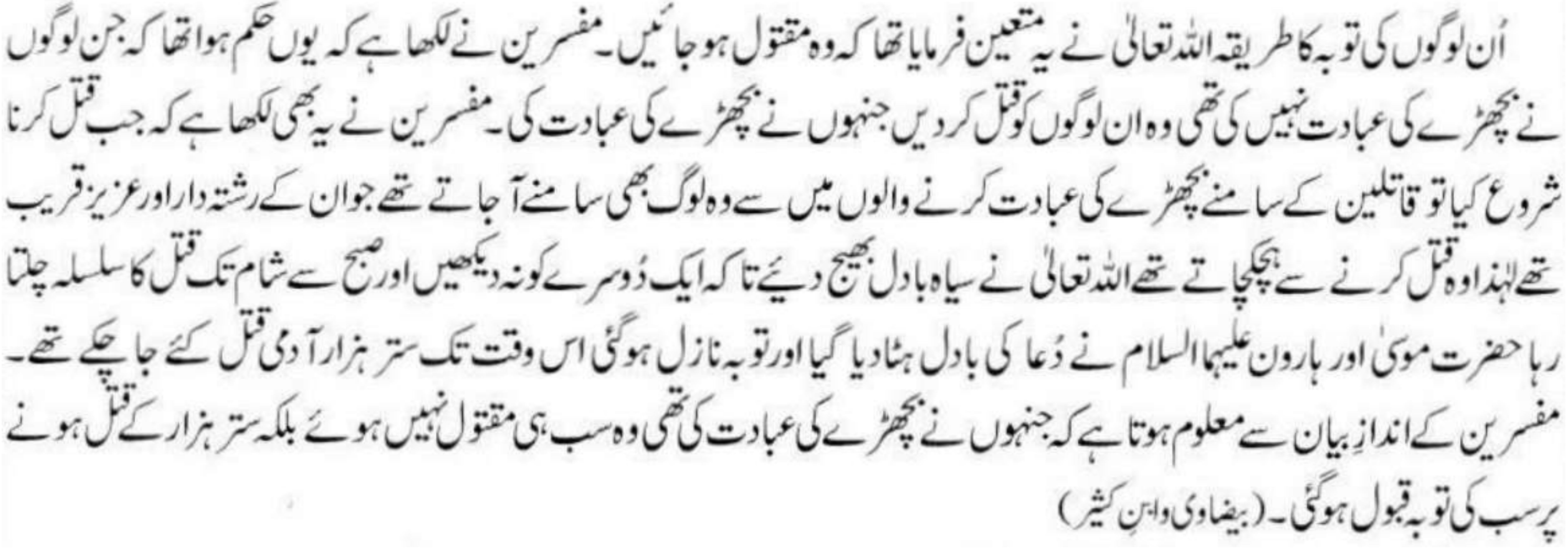

اُن لوگوں کی توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ متعین فرمایا تھا کہ وہ مقتول ہو جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں حکم ہوا تھا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب قتل کرنا شروع کیا تو قاتلین کے سامنے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے وہ لوگ بھی سامنے آ جاتے تھے جو ان کے رشتہ دار اور عزیز قریب تھے لہٰذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیئے تا کہ ایک دُوسرے کو نہ دیکھیں اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دُعا کی بادل ہٹا دیا گیا اور توبہ نازل ہو گئی اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل کئے جا چکے تھے۔

مفسرین کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی وہ سب ہی مقتول نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہونے پر سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ (بیضاوی و ابنِ کثیر)

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

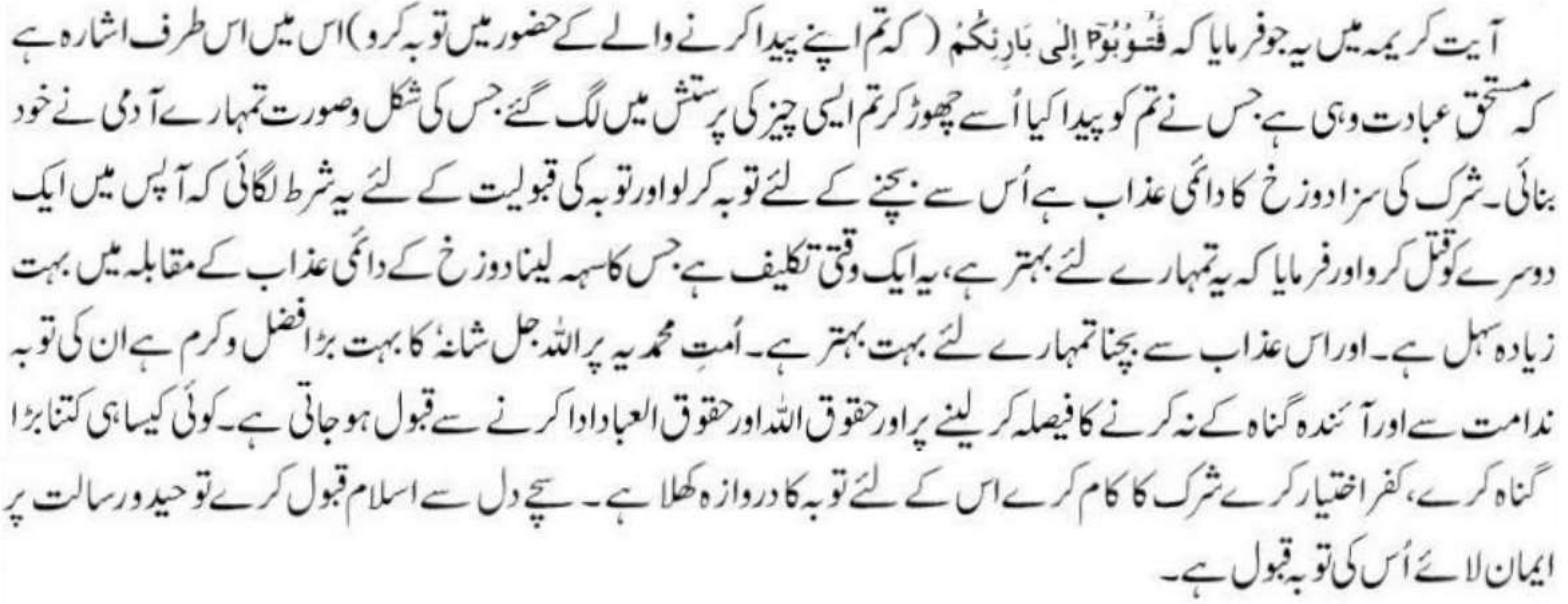

آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا کہ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ (کہ تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور میں توبہ کرو) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا اُسے چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پرستش میں لگ گئے۔ جس کی شکل وصورت تمہارے آدمی نے خود بنائی۔ شرک کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اُس سے بچنے کے لئے توبہ کر لو اور توبہ کی قبولیت کے لئے یہ شرط لگائی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، یہ ایک وقتی تکلیف ہے۔ جس کا سہہ لینا دوزخ کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہل ہے۔ اور اس عذاب سے بچنا تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اُمتِ محمدیہ پر اللہ جل شانہٗ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے ان کی توبہ ندامت سے اور آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا فیصلہ کر لینے پر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے سے قبول ہو جاتی ہے۔ کوئی کیسا ہی کتنا بڑا گناہ کرے، کفر اختیار کرے شرک کا کام کرے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے اسلام قبول کرے توحید ورسالت پر ایمان لائے اُس کی توبہ قبول ہے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

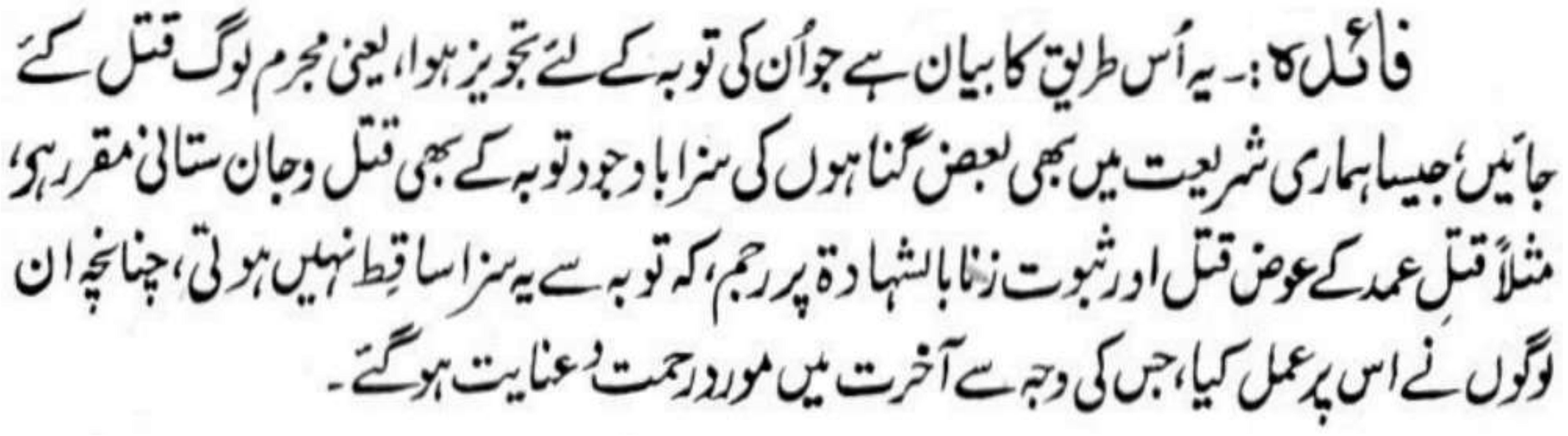

فائدہ :- یہ اُس طریق کا بیان ہے جو اُن کی توبہ کے لئے تجویز ہوا، یعنی مجرم لوگ قتل کئے جائیں، جیسا ہماری شریعت میں بھی بعض گناہوں کی سزا باوجود توبہ کے بھی قتل وجان ستانی مقرر ہے، مثلاً قتلِ عمد کے عوض قتل اور ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم، کہ توبہ سے یہ سزا اساقِط نہیں ہوتی، چنانچہ ان لوگوں نے اس پر عمل کیا، جس کی وجہ سے آخرت میں موردِ رحمت و عنایت ہو گئے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝٥٥ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٥٦

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (تفسیر عثمانی میں) فرماتے ہیں کہ:

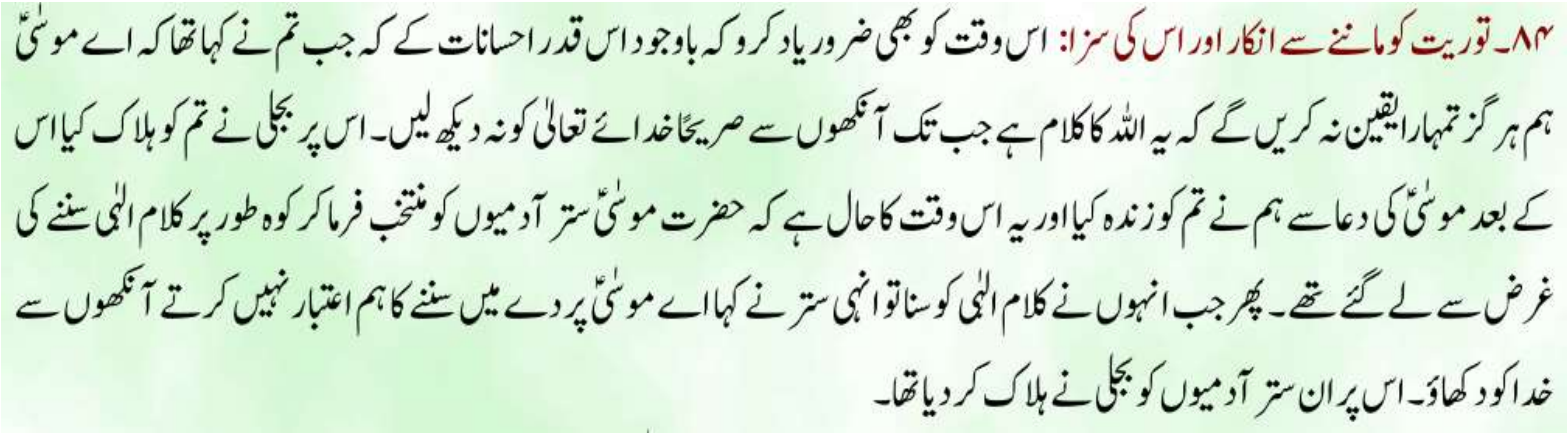

۸۴۔ توریت کو ماننے سے انکار اور اس کی سزا: اس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے کہ جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحاً خدائے تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰؑ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰؑ ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الٰہی کو سنا تو انہی ستر نے کہا اے موسیٰؑ پردے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے آنکھوں سے خدا کو دکھاؤ۔ اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

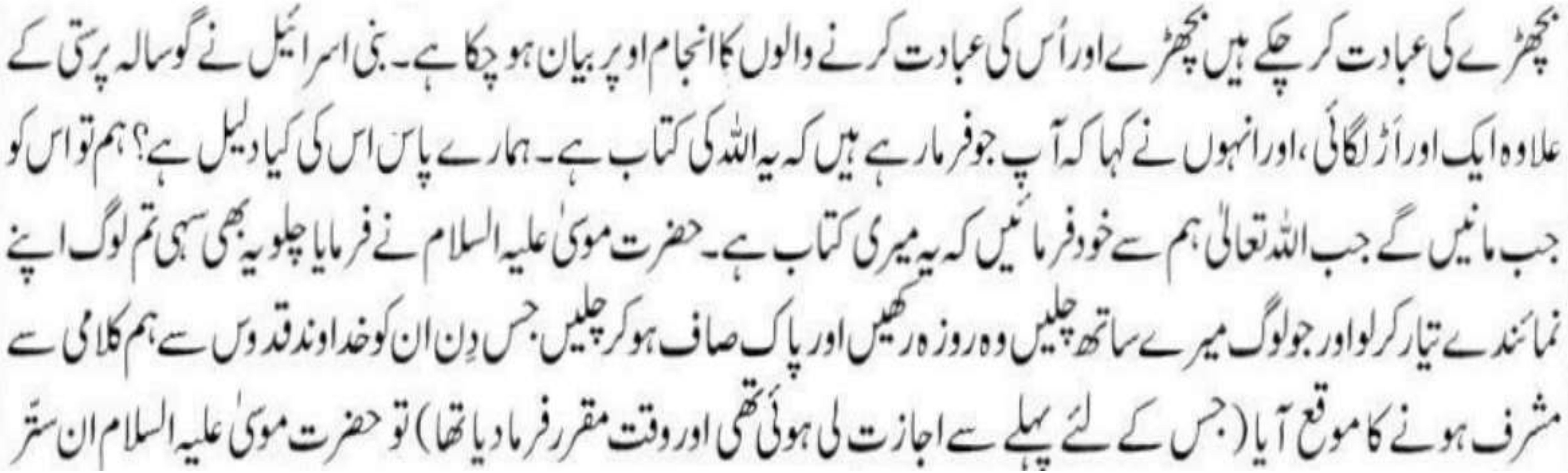

بچھڑے کی عبادت کر چکے ہیں بچھڑے اور اُس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کے
علاوہ ایک اور اَڑ لگائی، اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ہم تو اس کو
جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی سہی تم لوگ اپنے
نمائندے تیار کرلو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں. جس دِن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے
مشرف ہونے کا موقع آیا (جس کے لئے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرما دیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر

جاری ہے

مولانا محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ (تفسیر انوار البیان میں) فرماتے ہیں کہ:

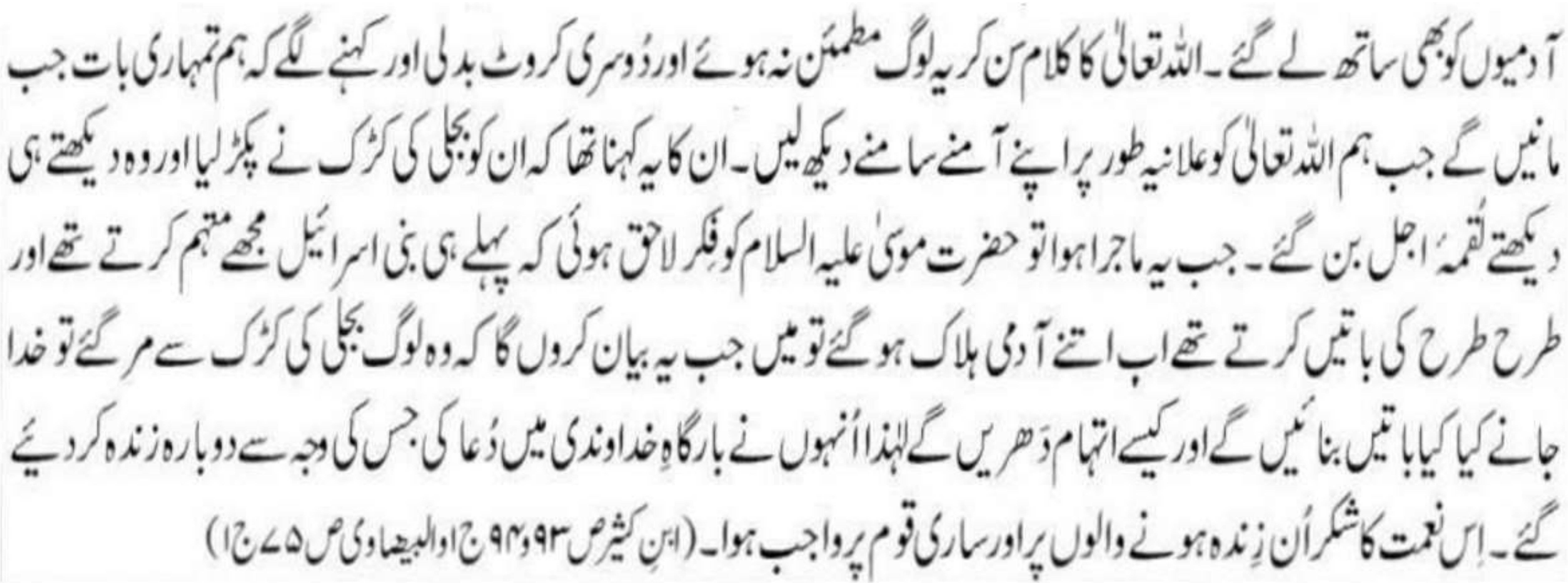

آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور دُوسری کروٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لُقمۂ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فِکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دَھریں گے لہٰذا اُنہوں نے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیئے گئے۔ اِس نعمت کا شکر اُن زِندہ ہونے والوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابنِ کثیر ص ۹۳و۹۴ ج ۱ والبیضاوی ص ۷۵ ج ۱)

مفتی شفیع عثمانیؒ (معارف القرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

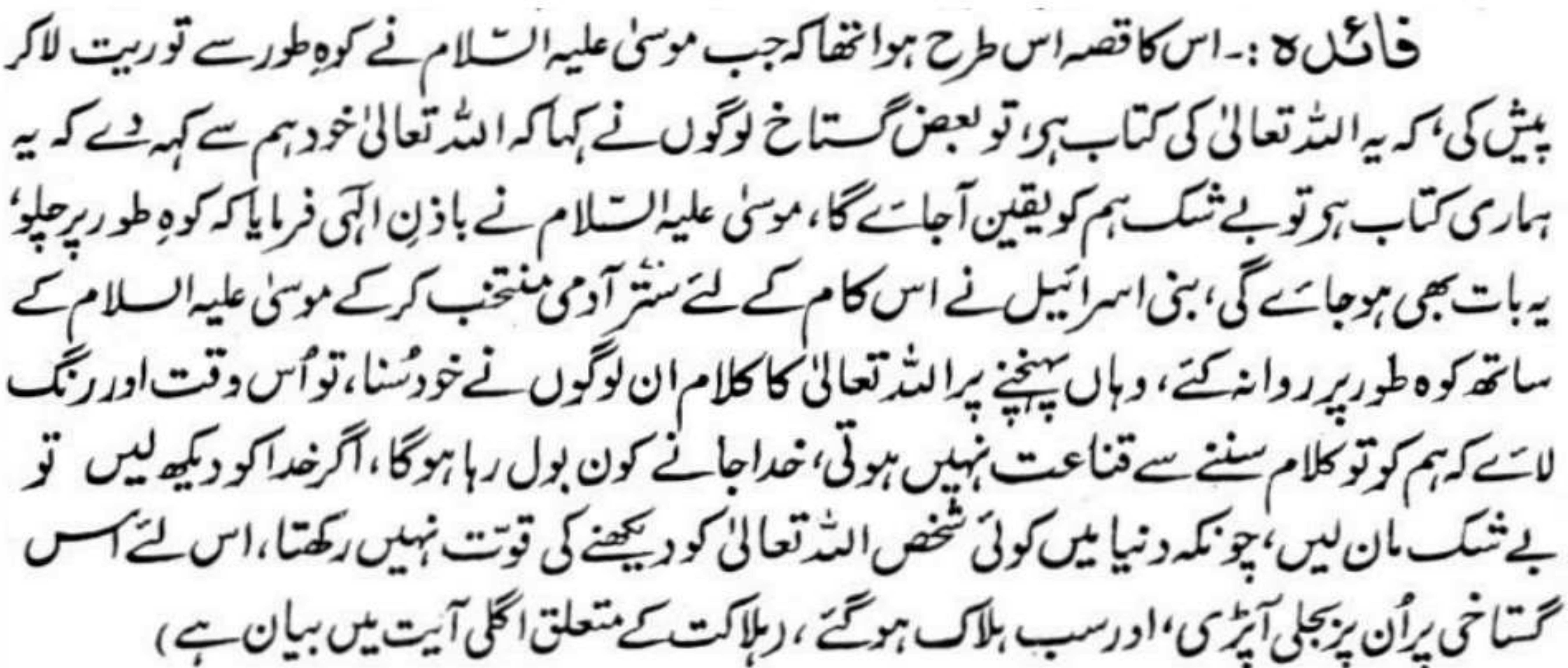

فائدہ :۔ اس کا قصہ اس طرح ہوا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السّلام نے کوہِ طور سے توریت لاکر پیش کی، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو بے شک ہم کو یقین آجائے گا، موسیٰ علیہ السّلام نے باذنِ الٰہی فرمایا کہ کوہِ طور پر چلو، یہ بات بھی ہو جائے گی، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستّر آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سُنا، تو اُس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی، خدا جانے کون بول رہا ہوگا، اگر خدا کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں، چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوّت نہیں رکھتا، اس لئے اس گستاخی پر اُن پر بجلی آپڑی، اور سب ہلاک ہوگئے، (ہلاکت کے متعلق اگلی آیت میں بیان ہے)

مفتی تقی عثمانیؒ (آسان ترجمہ قرآن میں) فرماتے ہیں کہ:

(۴۳) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ واقعی اللہ نے ہمیں اس کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ شروع میں ان پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب فرما کر تورات پر عمل کا حکم دیا، مگر وہ کہنے لگے کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اُن کے اس گستاخانہ طرزِ عمل پر ایک بجلی کے کڑکے نے انہیں آ گھیرا اور وہ بعض روایات کے مطابق مر گئے، اور بعض کے مطابق بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اس واقعے کی تفصیل بھی اِن شاء اللہ سورۂ اَعراف میں آئے گی۔